ماہنامہ "پاسبان" الہ آباد کا تاریخی نمبر
امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
مرتب
خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہ
رضا اکیڈمی (رجسٹرڈ) لاہور
چاہ میراں محبوب روڈ، لاہور۔

ماہنامہ "پاسبان" الہ آباد کا تاریخی نمبر

جشن صد سالہ دار العلوم منظر اسلام مبارک
(۱۴۲۲ھ —— ۲۰۰۲ء)

مرتّب

خطیبِ مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ تعالیٰ

رضا اکیڈمی لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلہ اشاعت نمبر 185

نام کتاب .... امام احمد رضا بریلوی

مرتب .... علامہ مشتاق احمد نظامی رحمہ اللہ تعالیٰ

محرک .... علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ

موید .... علامہ محمد منشا تابش قصوری مدظلہ

کمپوزنگ .... words maker Lhr. Tel 7231391

ناشر .... الحاج محمد مقبول احمد قادری ضیائی مدظلہ

بار اوّل .... مئی، جون ۱۹۶۲ء (الہ آباد بھارت)

بار دوم .... ۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ / ۵ جون ۲۰۰۱ء

مطبع .... احمد سجاد آرٹ پریس، لاہور

صفحات ۱۷۶

قیمت .... روپے

عطیات بھیجنے کے لئے

رضا اکیڈمی کے اکاؤنٹ نمبر ۹۳۸/۳۸، حبیب بنک

وسن پورہ برانچ لاہور

بذریعہ ڈاک طلب کرنے والے حضرات ۲۰/- روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں

رابطہ

رضا اکیڈمی (رجسٹرڈ) لاہور

س
۶7 م

مضامین پر ایک نظر

در نعت اکرم حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

اغنیاء پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا
اصفیاء چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستا تیرا

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا! عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا

چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف
تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا

تیرے ٹکڑوں سے پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

تیرے صدقے مجھے اک بوند بہت ہے تیری
جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا

نشانِ منزل

از: مولانا محمد منشا تابش قصوری

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پاسبانِ ملت' حضرتِ علامہ مشتاق احمد نظامی الٰہ آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ بیسوی صدی عیسوی میں اہل سنت و جماعت کے وہ محبوب و عظیم اور شہرہ آفاق عالم تھے جن کی مثال برِاعظم ایشیاء میں نظر نہیں آتی۔ فقیہ اعظم و نائب مفتی اعظم ہند حضرت مولانا الحاج مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق کیا خوب فرماتے ہیں۔

''علامہ نظامی نام تو ایک فرد واحد کا ہے مگر حقیقت میں وہ فرد واحد نہ تھے۔ پوری انجمن تھے جو اپنے جلو میں علم و فضل' سیاست و تدبر' ارشاد و تبلیغ' کردار و گفتار' عزم محکم اور جہد مسلسل کی ایک دنیا آباد کئے ہوئے تھے پیدا تو ''سرائے غنی'' الٰہ آباد میں ہوئے مگر ان کے فیض کا بادل پوری دنیا پر نصف صدی تک برستا رہا۔

ایک اور جگہ رقمطراز ہیں۔

ہمارے عرف میں جو کلمات شائع وذائع ہیں' ان کے کماحقہ تعارف کے لئے ناکافی ہیں اور یہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے اس کی دلیل امام المناظرین سلطان التارکین حضرت مجاہد ملت رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھیونڈی کے مناظرے کے موقع پر وہ ارشاد

ہے کہ فرمایا ''اگر مجھے وسعت ہوتی تو ''مشتاق نظامی'' کو سونے سے تول دیتا۔

حضرت مجاہد ملت قدس سرہ کے اس ارشاد کے بعد حضرت خطیب مشرق کے تعارف میں بڑے سے بڑا زبان داں' قادر الکلام کوئی لفظ بولے تو ہر ذی فہم منصف کو یقین کرنا پڑے گا کہ وہ ان کی عبقری شخصیت کا کماحقہ تعارف نہیں کرا سکا۔

حضرت مولانا ناصر انجم مصباحی مدظلہ ''خطیب مشرق'' میں رقم فرماتے ہیں حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی درسگاہ علم وفن کے فیض بخش مدرس بھی تھے اور خطابت کے رمز آشنا تکلموا الناس علی قدر عقولھم کے مصداق' بے بدل خطیب بھی' میدان مناظرہ کے برق رفتار شہ سوار بھی تھے تو صحافت کے پختہ کار ژرف نگار اور فکر انگیز تاجدار قلم بھی' جماعت کے دور اندیش' روشن ضمیر اور انقلاب آفرین مفکر بھی تھے۔ تو قوم وملت کی تعمیر کے بے ریا معمار اور نقیب بھی' محفل شعر و ادب کے مسند نشیں بھی تھے تو یاران نکتہ داں کے میر مجلس بھی۔ حق کے لئے شبنم کے قطروں کی مانند حساس و نرم بھی تھے تو باطل کے لئے آتش فشاں پہاڑ بھی' ایثار و قربانی کے پیکر جمیل بھی تھے تو ناقابل تسخیر جرات و ہمت کے حامل بھی' غرض کہ موصوف کی ایک زندگی میں کئی زندگیاں جمع ہوگئی تھیں گویا کہ باری تعالیٰ نے انہیں حالات کے تقاضوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے رنگ برنگی صفات اور نوع بنوع محاسن کا مجموعہ بنا دیا تھا۔

مبلغ اسلام مولانا بدر القادری مدظلہ یوں خراج محبت پیش کرتے ہیں۔

علامہ نظامی علیہ الرحمہ ہمارے علمائے سلف کی بزم دوشیں کے محرم راز تھے' ان کے رشحات' قلوب واذہان کی طمانیت کا نسخہ کیمیا تھے۔ تقریر و خطابت کے تو بادشاہ تھے' مولائے قدیر نے ان کو شیرین بیانی و قادر الکلامی' جاذبیت' علمی دسترس' اپنے مشن سے خلوص وعقیدت اور بالخصوص تفہیم کا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ باریک سے باریک مفہوم کو تمثیل کا جامعہ پہنا کر سامعین کے قلوب میں اتار دینا ان کا خاصہ تھا۔ علامہ موصوف کی متعدد تصانیف اور پاسبان کے اداریے ان کے قالب کی بے قرار روح کے آئینہ

دار ہیں۔ ممکن ہے لوگ ان کی تقاریر کو فراموش کر جائیں مگر انہوں نے اپنے خون بار قلم سے صفحہ قرطاس پر جو کچھ رقم کر دیا ہے وہ اہل ذوق کو ان کا مشتاق رکھنے کے لئے ازبس ہے۔ ان کی زندگی کا لمحہ لمحہ محفوظ رکھنے کے لائق ہے۔

شہزادۂ محدث اعظم ہند حضرت الحاج سید محمد ہاشمی میاں اشرفی کچھوچھوی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت علامہ نظامی صاحب نور اللہ مرقدہ کی حیات و خدمات' ان کی بیکراں شخصیت' ان کی انفرادیت' اہل سنت و جماعت کے تشخص کی علامت تھی' ان کی زبان پر امام احمد رضا کا خاموش قلم بولتا تھا' ان میں اور ہم میں فرق یہ ہے کہ ہم بولتے ہیں تو آپ جیسے لوگ سنتے ہیں لیکن جب وہ بولتے تھے تو

مفتی اعظم ہند' محدث اعظم ہند' حافظ ملت' مجاہد ملت' صدر العلماء' صدر الافاضل صدر الشریعہ جیسے لوگ سنتے تھے۔

محب گرامی حضرت علامہ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم بستوی مدظلہ رقم فرماتے ہیں۔

حضرت پاسبان ملت علامہ نظامی صاحب کی باتوں میں گہرائی بھی تھی اور گیرائی بھی جب تک زندہ رہے زبان وقلم سے خدمت دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف رہے۔ ان کی شخصیت کو ہمہ گیر بنانے میں ان کے خلق حسن کا اہم کردار ہے۔

علامہ یس اختر مصباحی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں۔

خطیب مشرق مولانا مشتاق احمد نظامی کو مذہبی اسٹیج کی دنیا میں آفتاب و مہتاب پایا ان کی تقریروں میں موجوں کا تلاطم بھی ہوتا اور آبشار کی روانی بھی' شیر کی گھن گرج بھی ہوتی اور بلبل کی چہچہاہٹ بھی' علم وفن کی روانی بھی ہوتی اور فکر وبصیرت کا ٹھہراؤ بھی معنی آفرینی کا کمال بھی ہوتا اور الفاظ کا حسن انتخاب بھی۔

حضرت علامہ نسیم بستوی مدظلہ' یوں اظہار محبت کرتے ہیں۔

؎ ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

میری نظر میں خطیب مشرق علامہ نظامی تقریر و خطابت ہی کے بادشاہ نہیں بلکہ اسلامی فکر کے حامل تحریر و انشاء کے بھی ایک ممتاز و منفرد تاجدار ہیں۔ آپ کے معاصرین میں کوئی آپ کا ہم پلہ نہیں تھا جس ماحول میں تشریف فرما ہوتے ان کی شان انفرادیت نمایاں معلوم ہوتی تھی۔ علامہ نظامی علیہ الرحمتہ کو جہاں بھی دیکھا ایک رنگ اور ایک ہی وضع میں دیکھا۔

دنیائے سنیت کے ممتاز اہل علم کے قلبی وقلمی تاثرات کا ایک ہلکا سا خاکہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ راقم السطور زمانہ طالب علمی سے آپ کے رشحات قلم سے استفادہ کرتا آیا ہے آپ کی گرانقدر تصانیف سے استفاضہ کی سعادت حاصل کی۔ ماہنامہ پاسبان کے متعدد شمارے میری لائبریری کی زینت اور میرے لئے فرحت و انبساط کا باعث ہیں۔

علامہ نظامی صاحب ۱۹۲۲ء میں الحاج ملک محرم علی علیہ الرحمتہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ یہ خاندان برس ہا برس سے زمینداری کرتا آ رہا تھا۔ آپ اپنے والد ماجد کے اکلوتے فرزند تھے جو اچھی علمی استعداد رکھتے تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی دی آپ اپنے والد ہی کے زیر سایہ اسلامی شعائر و آداب سے آراستہ ہوئے۔

دینی علوم وفنون کے آغاز سے قبل سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آستانہ اقدس کی زیارت کرائی گئی پھر مدرسہ سبحانیہ میں حضور مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن علیہ الرحمتہ کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے آپ نے اس دور کے اکابر مدرسین کی خدمت میں رہ کر علوم وفنون اسلامیہ کی دولت سمیٹی آپ کے عظیم المرتبت اساتذہ کرام کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں جن پر مسند تدریس ناز کرتی تھی۔

حضور مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب۔

حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب

حضرت مولانا عبدالرب صاحب مرادآبادی

حضرت مولانا حکیم محمد احسن بہاری

حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب بھدرکی

حضرت مولانا محمد عمر صاحب

حضرت مولانا محمد صدیق صاحب بجنوری (رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً)

آپ کی باضابطہ تعلیمی زندگی بیس بائیس سال تک محیط ہے۔ درس نظامیہ کی تعلیم کا سلسلہ ہنوز جاری تھا کہ ۱۹۴۴ء میں "عالم" ۱۹۴۵ء میں "منشی" ۱۹۴۶ء میں فاضل ادب اور ۱۹۴۷ء میں "کامل" کے امتحانات اعلیٰ نمبروں پر نہایت نمایاں کامیابی سے پاس کئے اور اسی سال درس نظامیہ کے تمام درجات سے فراغت پائی پھر جب عملی زندگی میں قدم رکھا تو آخری لحات تک اسلام وسنیت کی خدمتِ پیہم مصروف رہے۔

۲۸- اکتوبر ۱۹۹۰ء کو خطیب مشرق کی حیات مستعار کا آخری سورج مغرب میں غروب ہو گیا ۲۹- اکتوبر ۱۹۹۰ء کو آپ ہزاروں معتقدین، متوسلین، اعزا و اقربا خویش و احباب نے نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ قاضی شہر الٰہ آباد حضرت علامہ قاری مقبول حسین صاحب حبیبی نے دائرہ شاہ اجمل کی مسجد کے قریب وسیع وعریض میدان میں نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے قائم کردہ دارالعلوم غریب نواز کے اسی حجرہ مبارکہ میں تدفین عمل میں آئی جسے آج آپ کی آرام گاہ ہونے کا شرف نصیب ہے اس وقت سبھی لوگ محسوس کر رہے تھے کہ آج ایک عہد کی تاریخ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے "غریب نواز" کے قدموں رکھا جا رہا ہے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آپ کے وصال پر ملال سے جہانِ سنیت غم میں ڈوب گیا۔ اسلام کے ہر طبقہ نے آپ کے خلاء کو بڑی شدت سے محسوس کیا۔ تعزیت ناموں کے انبار لگ گئے جو

آپ کی زندگی بھر کے ساتھی نہایت مخلص اور معتمد علیہ رفیق کار حضرت مولانا انوار احمد نظامی مدظلہ کے پاس محفوظ ہیں، راقم السطور نے جو آپ کا ایک نادیدہ عاشق ہے آپ کی ہزارہا اسلامی خدمات و اوصاف کو رسائل و جرائد اور تصانیف میں دیکھتا چلا آ رہا ہے۔ ایک تعزیت نامہ مولانا الموصوف کی خدمت میں ارسال کیا۔ اسے آپ بھی ملاحظہ فرمایئے اور میرے دلی صدمہ کو دیکھئے جو الفاظ کی صورت میں آنسو بن کر خطیب مشرق کے روحانی دامن کو تر کر رہا ہے۔

''آپ سے اہل سنت و جماعت کی عظمت قائم تھی ناموس سنیت کے بہت بڑے محافظ تھے۔ پاسبان اور نہایت عمدہ تصانیف کے ذریعہ آفاقی سطح پر آپ نے تبلیغ میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ اپنی اثر آفرین اور نورانی خطابات سے ایک عرصہ تک بھارت کے مسلمانوں کے ایمان و ایقان کی آبیاری فرمائی میرے پاس الفاظ نہیں جن سے اپنے قلبی تاثرات کو بیان کرسکوں۔

اس دور میں مرحوم اسلاف کا پیکر جمیل اور بااخلاف کے لئے مینارۂ نور تھے مشائخ و علماء کرام کے ممدوح، خطباء کے رہنما، اہل قلم کے راہبر، مسلک کے محافظ، عقائد صادقہ کے پاسبان اور عصر حاضر میں ایشیاء کے ناقابل تسخیر مناظر، جملہ اوصاف حمیدہ کے جامع عظیم ایسے فنکار جو ہر سنی عالم و شیخ کے وصال پر تڑپ تڑپ جاتے تھے اور وارفتگی کے عالم میں پکار اٹھتے تھے ؎

اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں
جی میں کیا آیا کہ پابند نشیمن ہو گئیں

نہ جانے پابند نشیمن ہونا ''از خود'' آپ نے کیسے گوارہ کرلیا مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے کہ آپ آزاد ہو گئے اور ہم پابند! رہا نشیمن کا تعلق تو وہ مقام جو آپ نے حاصل کیا اب اور کون کرے؟

علامہ نسیم بستوی مدظلہ العالی کے ایک مکتوب گرامی میں ''دعوت فکر'' پر خطیب

مشرق رحمتہ اللہ تعالیٰ کی پسند کا اظہار تھا اس وقت دل میں آیا کہ حضرت صاحب فراش ہیں صحت یابی پر احوال زندگی طلب کروں گا اور پھر مضمون کی شکل دی جائے گی، مگر افسوس ۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

خون کے آنسو' نسیم رحمت' فردوس ادب' عقائد اہل سنت' کربلا کا مسافر' ہند کے راجہ' جماعت اسلامی کا شیش محل' اور پاسبان کے فائل میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے ایک ایک کو تصور میں پڑھا اور پڑھتا چلا گیا۔ نہ معلوم! آج لذت کچھ سوا تھی! پھر ان تصورات کو عملی جامہ پہنایا اور فوراً کتاب ''دیوبند کا نیا دین'' ہاتھوں میں لی' ابتدائیہ دیکھا اور دیکھتا ہی چلا گیا۔ ہر لفظ عجائبات کی دنیا لئے ہوئے تھا حالانکہ یہی کتاب جب پہلی بار میری نظر سے گزری تو میں نے اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی یوں ہی ورق گردانی کی اور یہ کہتے ہوئے چھوڑ دی کہ ''خون کے آنسو'' کے بعد معاملہ ختم۔ لیکن آج اس کتاب کے ابتدائیہ نے رونگٹے کھڑے کر دیئے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جن مشتاق ہاتھوں نے ان الفاظ کی حسین صورت میں' جواہرات کی لڑیاں پروئیں' ان ہاتھوں کے مشتاق الفاظ بھی رو رہے ہیں' اسی لئے تو میرے قلب وجگر کو آج بے حد متاثر کر رہے ہیں اس پر میری چھٹی حس فیصلہ دے رہی تھی کہ اہل علم وقلم جب اس دار فانی سے راہی بقا ہوتے ہیں تو ان کے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک نقطہ' غم والم کا دائرہ بن جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ مصنف کی قدر وقیمت اس کی دینوی زندگی میں اتنی نہیں ہوتی جتنی قید حیات سے آزادی پر خطیب مشرق رحمہ اللہ تعالیٰ ان خوش قسمت مصنفین کی صف میں ممتاز مقام رکھتے ہیں جنہیں ہر جگہ قدر ومنزلت حاصل رہی۔

حضرت خطیب مشرق نے جب ''دعوت فکر'' کو دیکھا تو دعاؤں سے نوازنے کے ساتھ ساتھ اپنی تاریخی تصنیف ''دیوبند کی خانہ تلاشی'' کا حصہ بنالیا اور پھر بڑے

اہتمام سے شائع فرمایا میرے لئے ان کا یہ عمل سعادت عظمیٰ سے قطعاً کم نہیں!

خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمتہ کو امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور خانوادۂ رضویہ سے بے پناہ عشق تھا۔ جب ان کا راہوار قلم اس طرف رخ کرتا تو محبت و پیار اور ادب و احترام سے سرپٹ دوڑتا چلا جاتا' کسی ایک جگہ کی بات نہیں پاسبان کے فائل اور آپ کی تصانیف اس پر شاہد و عادل ہیں "دیوبند کی خانہ تلاشی سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے اور سر دھنیے آپ رقمطراز ہیں۔

☆ اللہ اکبر! ایک ایسا درویش جس کا علم کسبی نہیں وہبی تھا ورنہ مسئلہ علم غیب پر چند گھنٹے میں خانہ کعبہ کے درودیوار تلے عربی زبان میں "الدولة المكيه فى المادة الغيبة" جیسی ضخیم محقق و مدلل و مبرہن کتاب کا قلمبند کر لینا کچھ آسان نہ تھا یہ کتاب از ابتداء تا انتہا خدا کی عطا کردہ اعلیٰ ترین صلاحیتوں کی مظہر و آئینہ ہے۔ جہاں عام انسانوں کا علم کسبی دست بستہ انہیں خراج عقیدت پیش کر رہا ہے۔

☆ چنانچہ جب امام احمد رضا جیسی نادر روزگار شخصیت نے "کمان" اپنے ہاتھ سنبھالی تو سیف قلم نے شاتمان رسول کے بڑے بڑے ناموروں کے سر قلم کر دیئے جو کوہستان و بیابان دیوبندیت کے شیر ببر سمجھے جاتے تھے وہ امام احمد رضا کے نشانہ قلم پر شیر قالین ثابت نہ ہو سکے یہی جلانے کی وہ آگ ہے جس میں پوری دیوبندیت جھلس کر خاکستر ہو رہی ہے اور جب تک توبہ نصیب نہ ہو گی یہ آگ انہیں یونہی بھسم کرتی رہے گی۔

☆ خدائے قدیر سیدنا امام احمد رضا کی قبر اطہر پر رحمتوں کی ساون بھادوں برسائے جن کے نوک قلم نے گھٹا ٹوپ تاریکیوں کا پردہ چاک کر کے پوری امت مسلمہ کو اجالے میں کھڑا کر دیا۔

☆ اے وقت کے دانشوروں غور کرو امام احمد رضا کا ایک ایسا وجود مسعود جو تن تنہا لاکھوں پر بھاری بھر کم تھا اسے خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ناکافی ہو گیا۔ عقل

حیران ہے کہ زبان وقلم کے لئے نیاز مندیوں کی بھیک کہاں سے مانگی جائے اور کس کے خزانہ عامرہ سے گوہر آبدار چن چن کر ان کے قدموں پر نچھاور کئے جائیں جس سے امام احمد رضا جیسی قدر آور شخصیت کی دینی وقلمی خدمات کا حق ادا کیا جا سکے۔

☆ امام احمد رضا: وہ ایک شخص ہی نہیں تھا بلکہ وہ ایک نظریہ تھا عقیدہ تھا' مسلک تھا' مشرب تھا' انجمن تھا' کانفرنس تھا' کتب خانہ تھا' لائبریری تھا' وہ علوم و معارف کا کوہ گراں بھی تھا' بحرز خار بھی تھا' وہ درسگاہ بھی تھا اور خانقاہ بھی تھا۔

☆ امام احمد رضا: آسمان علم وحکمت کا درخشاں آفتاب تھا' اور گلستان طریقت و معرفت کا شاداب پھول' علم ظاہر کا جاہ وجلال اور علم باطن کی زندہ مثال' وہ دن کے اجالے میں میدان قلم کا شہسوار اور رات کی تاریکی کا عابد شب زندہ دار تھا' مناظر تھا' مقرر تھا' مصنف تھا' مولف تھا' مفسر تھا' معقولی تھا' منقولی تھا' خطیب تھا' فصیح تھا' بلیغ تھا' فقیہ تھا' وجیہہ تھا۔

☆ امام احمد رضا: ماہر الہیات وفلکیات تھا' ماہر ریاضیات وطبیعات تھا' ماہر نجوم توقیت تھا' جو مدتوں کشور علم پر ساون بھادون کی طرح برستا رہا وہ ماہر علم الادویات وعلم الابدان تھا' غرض وہ بیک وقت پچاس سے زائد علوم پر ید طولیٰ و دستگاہ کامل رکھتا تھا'

☆ امام احمد رضا: وہ اپنے وقت کا ابوحنیفہ و شافعی تھا' وہ غزالی بھی تھا اور رازی بھی تھا' وہ رومی بھی تھا اور محی الدین بھی تھا' وہ درس گاہ کی نوک پلک سے آشنا اور خانقاہ کے اسرار ورموز کا ہمراز تھا'

☆ اسے خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ایسی کئی زندگیاں درکار ہیں وہ اور بے شار نعمتوں میں سے ایک نادر نعمت تھے' جس کے حق نگار قلم نے کروڑوں مسلمانوں کو کفر وگمراہی سے بال بال مامون محفوظ کر لیا۔ آج معمولات ومراسم اہل سنت کی جو دھوم دھام ہے جس کے حسنات و برکات سے پوری دنیائے اسلام مالا مال ہو رہی ہے یہ امام احمد رضا ہی کے جہاد بالقلم کا ثمرہ ونتیجہ ہے۔

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ابھی پاسبان ملت کی پیاس نہیں بجھی از خود عالم وجد میں فرماتے ہیں۔

☆ گفتگو اپنے موضوع سے بہت دور آ گئی، حضور مجاہد ملت اور سیدنا امام احمد رضا جیسے قدسی صفات نفوس سے دل ایسا لگا بندھا ہے کہ ان کی بارگاہ میں پہنچ کر نوع بنوع اور گونا گوں جلوؤں میں گم ہو جاتا ہوں کہ بہت جلد واپسی کا امکان باقی نہیں رہتا۔

(دیوبند کی خانہ تلاشی ص ۱۹ تا ۲۱)

☆ خطیب مشرق اپنی تصانیف کا انتساب امام احمد رضا کے نام کرتے ہوئے بڑا والہانہ انداز اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ خطبات نظامی کے انتساب میں عشقیہ کلمات ملاحظہ ہوں۔

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

عالم اسلام کی آفاقی وعبقری شخصیت جو نوابوں اور راجاؤں کو خاطر میں نہ لا کر پوری برملائیت سے کہہ گئی۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دیں پارۂ ناں نہیں

سلطان العارفین، سید السالکین، مجدد مائۃ ماضیہ، ولی کامل، علم ظاہر و باطن کے سنگم سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خطبات کا ایک ایک نقطہ منسوب کرتا ہوں۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

☆ ماہنامہ پاسبان کا ''امام احمد رضا نمبر'' خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ کا وہ گراں قدر تاریخی کارنامہ ہے جس کے ذریعہ موصوف نے تقریباً چالی

سال قبل امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے احوال و آثار مسلمانان اسلام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی اور اہل محبت و قلم کے حلقہ میں اسے خوب پذیرائی ملی۔

☆ ''فاضل بریلوی'' پر یہ نمبر ایک مستند اور قابل اعتماد ماخذ کی حیثیت رکھتا ہوے کیونکہ جس زمانہ میں یہ منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا اس وقت پاک و ہند میں اکابر علماء و مشائخ عظام کثیر تعداد میں موجود تھے۔ یہاں تک کے خانوادہ رضویہ کے سربراہ شہزادہ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں قادری بریلوی علیہ الرحمہ کے وجود مسعود سے دنیائے سنیت براہ راست فیض یاب تھی۔

☆ امام احمد رضا نمبر سے قبل صرف ''حیات اعلیٰ حضرت از ملک العلماء مولانا ظفرالدین احمد بہاری رحمہ الباری ''سوانح امام احمد رضا مولانا بدرالدین احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کی گرانقدر کتابیں تھیں اور ان کے بعد خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ نے ماہنامہ پاسبان کا یہ نمبر نکالا جو امام اہل سنت کی مختصر حیات مبارکہ پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر کتاب یا رسالہ موجود نہیں تھا۔ جس سے فاصل بریلوی کے حالات سے استفادہ کیا جاسکتا۔

☆ البتہ پاکستان میں حضرت الحاج پیر سید محمد معصوم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ' بانی نوری کتب خانہ لاہور نے اعلیٰ حضرت کے رسائل کی اشاعت پر توجہ فرمائی اور متعدد رسائل کے ذریعے ان کا تعارف ہوا' مفتی اعظم پاکستان حضرت سید ابوالبرکات احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ ناظم اعلیٰ دارالعلوم حزب الاحناف لاہور نے بھی اشاعت رسائل اعلیٰ حضرت میں خوب کام کیا' اسی اثناء میں علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ نے ''یاداعلیٰ حضرت'' کے نام سے ایک خوبصورت رسالہ مرتب کر کے شائع کیا۔ نیز بہت سے رسائل کو جدید کتابت و طباعت سے آراستہ کیا' جن کے ذریعہ امام اہل سنت کی زندگی کے مختلف گوشوں کو عیاں کرنے کی طرح ڈالی' تاہم ''پاسبان کے امام احمد رضا

نمبر'' کو بھی اس سلسلہ میں اولین ماخذ قرار دیا جاسکتا ہے۔ گو اعلیٰ حضرت کی ذات والا برکات پر اب تک اتنا وسیع کام ہوا اور ہو رہا ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ اس اکیلی ذات پر پاک و ہند میں چھوٹے' بڑے اتنے اشاعتی ادارے قائم ہو چکے ہیں جن کا شمار' کاردارد۔

مجلس رضا لاہور کے پلیٹ فارم پر بہت ہی عمدہ اور تاریخی کام کا آغاز ہوا' پھر ادارہ تحقیقات رضا کراچی کا قیام عمل میں آیا' مجلس رضا لاہور' کی نظر بد کا شکار ہوئی تو ''رضا اکیڈمی لاہور'' ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ثابت ہوئی۔

اگر طوفاں میں ہو کشتی تو ہو سکتی ہیں تدبیریں
اگر کشتی میں طوفاں ہو تو کیا تدبیریں کام آئیں

کشتیء رضا کو طوفان کی زد سے بچانے کے لئے چند اہل درد و محبت آگے بڑھے جن میں ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی مظہری' علامہ حضرت مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی' علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری' الحاج محمد مقبول احمد ضیائی قادری نے سنبھالا دیا اور کام رکنے نہ پایا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ہونے لگا۔ یہ خادم بھی ان بزرگوں کے ساتھ چل رہا ہے۔

رضا مشن کے بے شمار گوشے سامنے آنے لگے' یہاں تک کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ''فتاویٰ رضویہ'' کی جدید منصوبہ بندی کا مرحلہ ظہور پذیر ہوا' حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی' ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ لاہور' ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس اہل سنت و جماعت پاکستان' جو گونا گوں تنظیمی صلاحیتوں کا انسائیکلوپیڈیا ہیں' ان کی قیادت میں رضا فاؤنڈیشن قائم کی گئی' جس کے تحت فتاویٰ رضویہ قدیم پر جدید دور کے تقاضوں کے مطابق نہایت ٹھوس اور مضبوط بنیادوں پر کام کا آغاز ہوا' عربی عبارت کا ترجمہ اور حوالہ جات کی تخریج کے ساتھ فتاویٰ رضویہ کی طباعت شروع ہوئی۔ الحمد للہ اس وقت ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء (قدیم آٹھ) جدید بیس انیس جلدیں اعلیٰ معیار طباعت سے آراستہ

ہو چکی ہیں جسے پاک و ہند کے علاوہ بین الاقوامی سطح پر خوب پذیرائی حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ علامہ محمد سعید نوری ناظم اعلیٰ رضا اکیڈمی بمبئی (انڈیا) نے متعدد جلدیں اسی کتابت کے عکسی ایڈیشن میں شائع کیں۔

امسال ۲۴ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ/ ۲۰ مئی ۲۰۰۱ کو دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف کا صد سالہ جشن منایا جا رہا ہے۔ اسی مناسبت کے پیش نظر رضا اکیڈمی لاہور کے ارباب حل و عقد نے فیصلہ کیا کہ خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ جنہوں نے ماہنامہ پاسبان کے ذریعے مسلک حق اہل سنت و جماعت کی ناقابل فراموش خدمات سرانجام دی ہیں اور ۱۹۴۸ء میں پاسبان کا اجرا فرما کر سنی صحافت میں سنگ میل کا کردار ادا کرنے کی طرح ڈالی تھی اور پھر ہمارے اکابر کی مسلکی خدمات کو اجاگر کرنے کے لئے پاسبان کے خصوصی نمبر شائع کئے۔ ان کے مختصر سے تعارف کے ساتھ امام احمد رضا نمبر جو نہ صرف اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی حیالت مبارکہ پر مشتمل ہے بلکہ کئی اہم شخصیات کے سوانحی حالات بھی شامل کر کے اس کی قدر و قیمت میں بڑا اضافہ کیا ہے۔ لہٰذا امام اہل سنت کے حضور نذرِ محبت و عقیدت پیش کرنے کے لئے اس نمبر کو از سر نو نہایت عمدہ پیرائے میں شائع کیا جائے۔ چنانچہ رضا اکیڈمی لاہور کا یہ تاریخی کارنامہ بھی آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

یہاں پر ایک بات یاد رکھئے امام احمد رضا نمبر کا جب اعلان ہوا راقم الحروف اس وقت دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور میں زیرِ تعلیم تھا۔ دورانِ تعلیم ایک دن میرے ایک جماعتی نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے حلیہ مبارکہ پر بیہودہ سا اعتراض کر دیا۔ میں نے جواباً جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا اور وقتی طور پر اسے خاموش کر دیا مگر از خود میں مطمئن نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے حلیہ مبارکہ کے متعلق معلومات کا سلسلہ شروع کیا تو کچھ ہاتھ نہ آیا۔ پاسبان کے اس نمبر کا منتظر رہا مگر اس نمبر کا دامن بھی حلیہ مبارک سے خالی تھا۔ اسی دوران معلوم ہوا ادیب شہیر علامہ نسیم بستوی صاحب

''مجدد اسلام بریلوی'' کے نام سے ایک کتاب شائع کر رہے ہیں۔ موصوف میرے مہربان دیرینہ رفیق ہیں۔ میں نے بریلی شریف سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا حلیہ مبارکہ حاصل کر کے ان کی طرف بھارت ارسال کر دیا۔ اس کی تفصیل کے لئے موصوف کے نام جو میں نے اس سلسلہ میں خط لکھا جس کے ذریعہ پہلی بار ''مجدد اسلام بریلوی'' میں حلیہ مبارکہ زیور طباعت سے آراستہ ہوا' اس کو من وعن پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ''حلیہ مبارکہ'' میں اس نمبر کی زینت بنایا جا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے اور دعائیں دیجئے کہ اللہ تعالیٰ خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ کی خدماتِ عالیہ کو قبولیت کے اعزاز سے نوازے۔ انہیں اعلیٰ علیین میں بلند مقام عطا فرمائے اور ''رضا اکیڈمی لاہور'' کے اراکین و معاونین کو زیادہ سے زیادہ دینی' علمی' قلمی خدمات سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔ اب حلیہ مبارکہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ ملاحظہ فرمایئے۔

مبلغ اسلام مولانا محمد منشا تابش قصوری

کا

ایک اہم مکتوب

محترم علامہ نسیم صاحب القادری الرضوی زید مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ برکاتہٗ مزاج شریف!

۲۵ مارچ ۱۹۶۴ء کو بندہ نے ایک عریضہ شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں حاضر کیا۔ کیونکہ مجھے مجدد اسلام اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کا حلیہ مبارک دیکھنے کا اشتیاق تھا جس وقت بندہ قدوری وغیرہ پڑھتا تھا۔ ایک نام نہاد سنی طالب علم جو میرا کلاس فیلو تھا۔ اس سے باتوں باتوں میں مباحثہ شروع ہوا چونکہ وہ حقیقتاً دیوبندی تھا اس لئے رشید گنگوہی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگا اور مجھے کہنے لگا تمہارے اعلیٰ حضرت کیا ہیں

....

....

مگر اس کے گستاخانہ کلام سے جو تیر میرے دل پر لگا۔ اس کے زخم کا درد تیز تر ہونے لگا۔ ہفتہ بھر اعلیٰ حضرت کا حلیہ دریافت کرتا رہا مگر نہ ملا۔ لاہور گیا وہاں سے ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری علیہ الرحمۃ کی تصنیف لطیف ''حیات اعلیٰ حضرت'' خرید

کی من الاول الی الاخر مطالعہ کیا مگر حلیہ شریف نہ ملا دن بدن میری پریشانی بڑھتی رہی پھر ایک رسالے میں ایک اشتہار پڑھا کہ خطیب مشرق مولانا مشتاق احمد نظامی مدیر ''پاسبان'' الہ آباد پاسبان کا امام احمد رضا نمبر نکال رہے ہیں۔ آخر امام احمد رضا نمبر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ بندہ نے اوّل تا آخر مطالعہ کیا مگر حلیہ مبارکہ نہ پایا۔ زیادہ غم لگا۔ سن ۱۹۶۳ء میں پتہ چلا کہ مولانا علامہ بدرالدین احمد صدر مدرس دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف ''سوانح اعلیٰ حضرت مرتب فرما رہے ہیں تو ان کی جانب بھی عریضہ لکھا کہ آپ اپنی مصنف میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا حلیہ مبارک ضرور تحریر فرمائیے موصوف نے جواباً تحریر فرمایا کہ اب ''سوانح اعلیٰ حضرت'' حصہ اول پریس میں پہنچ چکی ہے لہٰذا جلد دوم میں حلیہ شریف نقل کیا جائے گا۔

جلد دوم کا منتظر رہا مگر میرے عشق نے بہت مجبور کیا تو ۲۵ مارچ کو حضور مفتی اعظم ہند مدظلہ العالی کی خدمت اقدس میں عریضہ لکھا کہ مجھے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے حلیہ مبارک کے دیکھنے کا شوق ہے لہٰذا نگاہ کرم فرماتے ہوئے میری گزارش کو شرف قبول بخشیں اور حلیہ شریف ارسال فرمائیں مگر اس وقت حضور مفتی اعظم اپنے دولت کدے پر تشریف نہیں رکھتے تھے۔ جس وجہ سے حضرت الحاج ساجد علی صاحب قبلہ نے حضرت مولانا علامہ الشاہ حسنین رضا خاں صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے حلیہ اعلیٰ حضرت لکھوا کر بندہ کی طرف روانہ فرما کر کرم فرمایا اور ساتھ ہی خط لکھا۔

اس جگہ موصوف کا مکتوب گرامی من وعن تحریر کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمائیے:

جناب تابش صاحب

سلام مسنون! آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا حضرت مفتی اعظم مد ظلہٗ العالی آج کل دولت کدہ پر تشریف نہیں رکھتے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے برادر زادہ شاگرد اور خلیفہ مولانا حسنین رضا خاں صاحب ہیں۔ جنہوں نے برس ہا برس اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی زیارت کی ان سے یہ مضمون جو اس لفافہ

میں آپ کو ملے گا لکھوا کر بھیج رہا ہوں۔

اس کو سنی اخبارات و رسائل میں چھپوا دیں۔

والسلام

ازفقیر ساجد علی خاں غفرلہٗ

سلام ممنون و دعائے مشحون مقبول باد

۶ جون سن ۶۴ء

الحاج ساجد علی خاں

بقلم حبیب رضا غفرلہٗ

۵ جون سن ۱۹۶۴ء

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مری برباد بستی کو بسا دو یا رسول اللہ
کنارے پر میری کشتی لگا دو یا رسول اللہ

مرے تاریک دل پر نور کی برسات ہو جائے
مرے قلب سیہ کو جگمگا دو یا رسول اللہ
یہ آنکھیں آپ کے دیدار کی طالب ہیں مدت سے
رخ پرنور سے پردہ ہٹا دو یا رسول اللہ
گرا ہوں بحر عصیاں میں، گرفتار مصائب ہوں
مجھے اس قید سے للہ چھڑا دو یا رسول اللہ
رحیم بیکساں تم ہو، حکیم دردمنداں ہو
طبیب مرض عصیاں ہو، دوا دو یا رسول اللہ
وفور شوق سے بیدار ہیں عاشق مدینے کے
مجھے بھی خواب غفلت سے جگا دو یا رسول اللہ
میرا مسکن مدینہ ہو میرا مدفن مدینہ ہو
میرا سینہ مدینہ ہی بنا دو یا رسول اللہ
یہی آرزوئے زندگی تابش قصوری کی
دم آخر رخ زیبا دکھا دو یا رسول اللہ

(تابش قصوری)

حلیہ مبارک
اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ

ابتدائی عمر میں آپ کا رنگ چمکدار گندمی تھا۔ ابتداء سے وقت وصال تک مسلسل محنت ہائے شاقہ نے رنگ کی آب و تاب ختم کر دی تھی۔ چہرہ مبارک پر ہر چیز نہایت موزوں و مناسب تھی۔ بلند پیشانی - بنی مبارک نہایت ستواں تھی ہر دو آنکھیں بہت موزوں اور خوبصورت تھیں۔ نگاہ میں قدرے تیزی تھی جو پٹھان قوم کی خاص علامت ہے۔ ہر دو ابرو کماں ابرو کے پورے مصداق ہے لاغری کے سبب سے چہرہ میں گدازی نہ رہی تھی مگر ان میں ملاحت اس قدر عطا ہوئی تھی کہ دیکھنے والے کو اس لاغری کا احساس بھی نہ ہوتات ھا۔ کنپٹیاں اپنی جگہ بہت مناسب تھیں۔ داڑھی بڑی خوبصورت گردار تھی۔ سر مبارک پر پٹھے تھے جو کان کی لو تک تھے۔ سر مبارک پر ہمیشہ عمامہ بندھا رہتا تھا جس کے نیچے دو پلی ٹوپی ضرور اوڑھتے تھے آپ کا سینہ باوجود اس لاغری کے خوب چوڑا محسوس ہوتا تھا۔ گردان صراحی دار تھی اور بلند تھی جو سردار کی علامت ہوتی ہے آپ کا قد میانہ تھا۔ ہر موسم میں سوائے موسمی لباس کے آپ سپید ہی کپڑے زیب تن فرماتے۔ موسم سرما میں رضائی بھی اوڑھا کرتے تھے مگر سبز کا ہی اونی چادر بہت پسند فرماتے تھے اور وہ آپ کے تن مبارک پر بجتی بھی خوب تھی آپ بچپن ہی میں کچھ روز گداز رہے پھر تو سب نے آپ کو چھیر ریا اور لاغر ہی دیکھا۔

آپ کو چودہ برس کی عمر میں درد گردہ لاحق ہوا جو آخر عمر تک رہا کبھی کبھی اس

کے شدید دورے پڑ جاتے تھے ایسے مزمن امراض خاصان خدا کی خاص علامت ہوتے ہیں آپ کی آواز نہایت پر درد تھی اور کسی قدر بلند بھی تھی آپ جب اذان دیتے تو سننے والے ہمہ تن گوش ہو جاتے آپ بخاری طرز پر قرآن پاک پڑھتے آپ کا طرز ادا عام حفاظ سے جدا تھا آپ نے ضاد کا مخرج جیسا ادا کیا بڑے بڑے قاریوں کا یہ کہنا ہے کہ ضاد کا مخرج ایسا صاف وستھرا ادا کرتے کسی قاری کو نہ سنا۔ اس مخرج کی تحقیق میں آپ کا ایک رسالہ ''الجامد الصادعین سنن الضاد'' بار ہا چھپ کر ملک میں شائع بھی ہو چکا ہے۔

آپ نے ہمیشہ ہندوستانی جوتا پہنا جسے سلیم شاہی جوتہ کہتے ہیں آپ کی رفتار ایسی نرم تھی کہ برابر کے آدمی کو بھی چلتا محسوس نہ ہوتا تھا آپ کی حیات شریفہ میں ایک بار یہ افواہ اڑی کہ مولانا احمد رضا صاحب کو (معاذ اللہ) مرض جذام ہو گیا ہے اس افواہ کا مرکز گنگوہ بتایا جاتا ہے جب یہ افواہ بریلی پہنچی تو بریلی والوں نے اظہار عداوت کے اس چھچھوڑے اور ذلیل طریقہ پر اظہار نفرت کیا اور اس بے حیائی کی بڑی داد دی۔ اب اس جماعت میں کوئی نئے محقق پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے یہ اڑایا ہے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ (معاذ اللہ) یک چشم تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن کی آنکھیں پہلے پھٹ گئی ہیں وہ ایسی حیا سوز حرکتیں کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

والسلام دعا گو

حسنین رضا خاں

محلہ کانکرٹولہ بریلی (یوپی)

امیرِ کارواں

از: عندلیب گلشن رسالت راز الٰہ آبادی

رازِ وحدت کا جہاں میں راز داں کوئی نہ تھا
امت ختم رسل کا پاسباں کوئی نہ تھا

شمع تھی محفل میں روشن، کوئی پروانہ نہ تھا
تشنہ لب تھے سیکڑوں ساقیٔ میخانہ نہ تھا

کفر کے بادل فزائے دہر پر چھائے رہے
راہرو ایمان کی راہوں سے کتراتے رہے

چھا گیا تھا زندگی کی رہگذاروں پر جمود
خاک کے ذرے فلک پر چاند تاروں پر جمود

سینکڑوں ابلیس بھی تھے بھیس میں انسان کے
لوٹنے والے تھے لاکھوں دولت ایمان کے

ابر میں پوشیدہ تھا علم و یقیں کا آفتاب
دے نہ سکتا تھا کوئی باطل پرستوں کو جواب

شرک تھا جب ناز کرنا احمد مختار پر
نکتہ چیں تھے لوگ علم سید ابرار پر

ہر ولی ہر غوث کو بے دست و پا سمجھا گیا
یا رسول اللہ کہنے پر تھا فتویٰ شرک کا

کفر پر اک دن مشیت کو جلال آ ہی گیا
رب اکبر کو شہ دیں کا خیال آ ہی گیا

صورتیں تسکین کی نکلیں دل سیماب سے
اک کرن پھوٹی اچانک چرخ پر مہتاب سے

اس کرن نے راہ ایماں کو منور کر دیا
دشت کو گلشن تو کانٹوں کو گل تر کر دیا

اس کرن کو اہل دیں احمد رضا کہنے لگے
کشتیٔ اسلام کا سب نا خدا کہنے لگے

اس کا دل عشق محمد میں ہمیشہ چور تھا
رند ساقیٔ مدینہ پے بے پے مسرور تھا

اہل سنت و الجماعت کا وہ رہبر ہو گیا
اس نے جو کچھ لکھ دیا کاغذ پہ پتھر ہو گیا

راز کے ایمان و حرمت کے نگہباں زندہ باد
زندہ باد اے مفتی احمد رضا خاں زندہ باد

فاضل بریلوی بارگاہ رسالت میں

زمانہ خوش دلی دریاب دُریاب
کہ ہر دم در صدف گوہر نبا شد

میری زندگی کا سب سے بہترین زمانہ دارالحمد اجمیر شریف کی حاضری کا وہ دور طالب علمی ہے، جس میں نو سال تک سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے دربار میں حاضری نصیب ہوئی اور استاد محترم حضرت صدر الشریعہ قبلہ علیہ الرحمہ کی کفش برداری کا شرف حاصل رہا۔ اس مبارک زمانہ میں اکثر علماء و مشائخ و بزرگان دین کی زیارت میسر آتی تھی۔ انہیں بزرگوں میں سے حضرت دیوان سید آل رسول صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے ماموں صاحب قبلہ دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں جو بڑے بلند پایہ بزرگ تھے۔ دیوان صاحب کے یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ موصوف کی خدمت میں حاضری ہوا کرتی تھی، اکثر بزرگان دین کے واقعات بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت موصوف نے بیان فرمایا کہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ میں ایک شامی بزرگ دہلی تشریف لائے، ان کی آمد کی خبر پا کر ان سے ملاقات کی۔ بڑی شان وشوکت کے بزرگ تھے طبیعت میں بڑا ہی استغنا تھا۔ مسلمان جس طرح عربوں کی خدمت کیا کرتے ہیں ان کی بھی خدمت کرنا چاہتے تھے۔ نذرانہ پیش کرتے تھے، مگر وہ قبول نہیں کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ بفضلہٖ تعالیٰ میں فارغ البال ہوں، مجھے ضرورت نہیں۔ ان کے اس استغنا اور طویل سفر سے تعجب ہوا عرض کیا حضرت یہاں تشریف لانے کا سبب کیا ہے۔ فرمایا مقصد تو بڑا زریں تھا لیکن حاصل نہ ہوا۔ جس کا افسوس ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو میری قسمت بیدار ہوئی خواب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ

والتسلیم کی زیارت نصیب ہوئی۔ دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حاضر دربار ہیں، لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی کا انتظار ہے۔ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا فداک ابی وامی کس کا انتظار ہے۔ ارشاد فرمایا احمد رضا کا انتظار ہے۔ میں نے عرض کیا احمد رضا کون ہیں۔ فرمایا ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔ بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی معلوم ہوا مولانا احمد رضا خان صاحب بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں اور بقید حیات ہیں۔ مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق ہوا۔ میں ہندوستان آیا بریلی پہنچا۔ معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا اور وہی ۲۵ صفران کی تاریخ وصال تھی۔ میں نے یہ طویل سفر صرف ان کی ملاقات کیلئے ہی کیا لیکن افسوس کہ ملاقات نہ ہو سکی۔

اس سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ کی مقبولیت بارگاہ رسالت میں معلوم ہوتی ہے۔ کیوں نہ ہو عاشقان رسول یوں نوازے جاتے ہیں۔

عبدالعزیز عفی عنہ

۸ ذیقعدہ ۱۳۷۴ھ

حافظ ملت مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب مرادآبادی علیہ الرحمۃ

شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور (اعظم گڑھ)

شذرات

(خطیب مشرق علامہ) مشتاق احمد نظامی (رحمہ اللہ تعالیٰ)

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
ان اللہ یبعث علی راس الخ

☆☆☆☆☆

(۱) سرور کائنات کا فرمان گرامی ہے کہ پروردگار عالم ہر صدی کے آخر میں ایک رہنمائے کامل بھیجتا ہے جو مردہ سنتوں کو زندہ کرتا اور قوم کو بھولی بسری باتوں کو یاد دلاتا ہے۔ وہ مردحق تجدید واحیاء دین کی کٹھن راہوں سے گزرنے میں تیر ملامت کا نشانہ بنتا ہے اور کبھی کبھی تو قید و بند کی کٹھنائیوں سے بھی اسے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ چونکہ وہ کوئی سیاسی قیدی نہیں جو حالات کے تیور سے مرعوب ہو کر کلمہ حق کو واپس لے لے، بلکہ آمرانہ و جابرانہ طاقتیں خود اس کے قدموں پر جھکتی ہیں اور حق کا پرستار بلا خوف لومتہ لائم دین کی صاف اور کشادہ راہوں کو پیش کرنے میں جرات بیباک سے کام لیتا ہے غیر تو غیر بسا اوقات اپنے بھی اس کی مخالفت پر کمربستہ ہوتے ہیں مگر نہ پوچھئے اس کے عزم و استقلال کی خداداد طاقت کی کرشمہ سازیاں کہ قہر وغضب کے بادل امنڈتے ہیں مگر برسنے سے پہلے مطلع صاف نظر آتا ہے۔ نہیں معلوم ایسے کتنے طوفان اٹھتے ہیں مگر اس کی جبین استقلال پر بل نہیں آتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی مختصر سی زندگی میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دیتا ہے جس کے باعث دنیا اسے مجدد کے نام سے یاد کرتی ہے۔

☆☆☆☆☆

(۲) یہ ایک سنت الٰہیہ ہے کہ آفتاب نبوت کے پردہ فرمانے کے بعد کسی قرن اور صدی کو قدسی نفوس ہستیوں سے خالی نہ رکھا گیا، ملت اسلامیہ کی صحیح نمائندگی و رہنمائی کے لئے ہر تیرہ و تاریک فضا میں نہ کوئی آفتاب ہدایت مطلع شہود پر آتا رہا اور وقت کی بگڑتی ہوئی فضا کو سازگار بنانے میں یا یوں کہہ لیجئے کہ نظام شریعت کے سانچے میں ڈھال دینے کی انتھک کوشش کرتا رہا۔ اس سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے اور مجددین کی آخری کڑی میں جس کو نامزد کیا جا سکتا ہے وہ تاجدار اہل سنت مجدد ماتہ حاضرہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی ہے۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز اور اعلیٰ حضرت کی درمیانی صدیوں میں امام شافعی، امام فخر الدین رازی، امام غزالی، ابوبکر باقر قلانی۔ یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے مجدد الف ثانی جیسے بلند پایہ حضرات اپنے اپنے وقت میں احیاء دین فرماتے رہے اور قریب قریب ہر ایک کی تاریخ میں یہ قدر مشترک نظر آئے گا کہ آسمان ہدایت کے ان چمکتے ہوئے ستاروں پر غبار ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ مگر (الحق یعلو ولا یعلی) حق خود بلند ہوتا ہے...... وہ کسی کے بلند کرنے سے عظمت و رفعت کی چٹان پر نہیں پہنچتا اور نہ تو کسی باطل کی ہوا خیزی سے اس کی صداقت پر پردہ پڑتا ہے۔ دنیا کی فرعونی و طاغوتی طاقتوں نے ان کا مقابلہ کیا آخرش ایک صبح ایسی نمودار ہوئی جس کی روشنی پر تاریکی کا پردہ نہ پڑ سکا اور ان کے کارہائے نمایاں کے سامنے غیروں کی بھی گردنیں جھک گئیں۔ چنانچہ تاجدار اہل سنت کے متعلق آج بھی مخالفت کے باوجود اکابر علماء دیوبند یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ کچھ بھی ہو مولانا احمد رضا خاں صاحب قلم کے بادشاہ تھے۔ جس مسئلہ پر قلم اٹھایا اس کا کوئی گوشہ بھی تشنہ نہ چھوڑا۔

☆☆☆☆☆

(۳) قلم کی پختہ کاری کا اعتراف ہی اعلیٰ حضرت کی شان تجدید پر روشن دلیل ہے چونکہ

امام اہل سنت کا مجدد ہونا حسن صورت یا امارت و ریاست یا کثرت تلامذہ و حلقہ ارادت کی وسعت غرض کہ اس قسم کے دوسرے عوارضات پر مبنی نہیں۔ بلکہ کشور علم کا تاجدار جس وقت سیف قلم لے کر رزمگاہ حق و باطل میں اترا ہے۔ اپنے تو اپنے غیروں نے بھی گھٹنے ٹیک دیئے اور تجدید نام ہی ہے۔ انسان کی اس صفت راسخہ کا جس کی قوت سے وہ وقت کی بڑی سے بڑی طاقت پر قابو یافتہ ہو کر حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچتا ہے۔ یہی وہ جوہر ہے جو اعلیٰ حضرت کی تصنیف و تالیف تقریر و تحریر میں نمایاں حیثیت سے اجاگر ہے اور اس جوہر گراں مایہ سے ہر اس شخص کا دامن نہیں بھرپور ہو سکتا جس نے درس نظامیہ کی کتب متداولہ کی حرف بہ حرف تعلیم حاصل کی ہو۔ یہ خدا کی ایک بخشی ہوئی طاقت ہے جو احیاء سنت کی خاطر کسی برگزیدہ بندے کو دی جاتی ہے۔ (ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء) یہ اللہ کا ایک فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ انہیں برگزیدہ شخصیتوں میں فاضل بریلوی کا بھی نام نامی ہے۔

☆☆☆☆☆
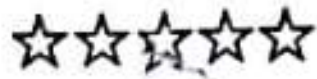
(۴) الحاد و بے دینی کی مہیب فضا کفر و شرک کی گھنگھور گھٹا نجدیت و وہابیت کی مطلق المنان مارکیٹ جس میں شرک و بدعت (ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا) کی جگہ لے چکی تھی۔ بات بات پر شرک و بدعت کے فتوے دیئے جاتے' استمداد و ندا د میلاد و قیام ختم نبوت و علم و غیب جیسے قطعی الدلائل مسائل پر نہ صرف قیل و قال کے دروازے کھل گئے تھے بلکہ اخبار و پریس کی طاقت و نیز حکومت وقت کے ایماء و اشارے پر سچے پکے مسلمانوں کو بدعتی و مشرک کہا جاتا تھا اور یہ فتاوے کیوں نہ دیئے جاتے (سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کا ہے کا ہے) انگریزوں سے ساز باز تھا۔ علماء اہل سنت اپنی پوری طاقت سے انگریزی سامراج کو مٹانا چاہتے تھے۔ چنانچہ مجاہد جلیل حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر فرما چکے تھے جس کی پاداش میں دریائے شور کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں اور بہت سے

حق پرست مسلمانوں کو پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیا گیا۔ علمائے اہل سنت کا شیرازہ منتشر تھا۔ اک جہتی ختم ہو چکی تھی۔ تنظیم ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی۔ ایک دوسرے کے حالات سے بے خبر و نا آشنا تھے اور ملک کی دوسری فتنہ انگیز جماعت انگریزوں کے ہاتھ کٹھ پتلی بن چکی تھی۔ برطانیہ گورنمنٹ کی نوازشات سے دامن بھرپور تھا۔ موقع غنیمت جان کر عقائد کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ اب ان کے پاس دارالعلوم تھا اور جمیعۃ کا جتھا بھی تھا۔ طفل مکتب مصنف بن چکے تھے ہر کتاب پر ہنگامہ ہوتا۔ ہر عبارت پر مکالمہ بازی کا بازار گرم ہوتا۔ حفظ الایمان کی ایک گندہ و توہین آمیز عبارت پر بسط البنان۔ توضیح البیان مکالمۃ الصدرین جیسے نہیں معلوم کتنے رسالے و پمفلٹ کوچہ و بازار میں آ چکے تھے۔ کسی طرح عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنا تھا۔ اس لئے نئے نئے شگوفہ کھلانا اور نئی نئی پھلجھڑی چھڑانا مصلحت وقت کا عین تقاضا تھا...... کبھی علم غیب پر حملہ ہے تو کبھی ختم نبوت پر۔ کبھی شان نبوت کی تنقیص ہے تو کبھی عظمت ولایت کی توہین۔

☆☆☆☆☆

(۵) غرض کہ زمین ہند ماتم گسار تھی چرخ کہن نوحہ گر تھا۔ قدسی صفات فرشتے رحمت باری کے منتظر تھے۔ اہل سنت کا کلیجہ زخموں سے چور تھا۔ حق پرستوں کی آنکھ ساون بھادوں کی جھڑی تھی۔ عقیدت مندوں کا سینہ نالاں کناں تھا۔ رسول پاک کے فدائی ماہی بے آب تھے۔ حرمت نبوت پر جان دینے والے کراہ رہے تھے۔ عظمت ولایت پر مر مٹنے والے سسک رہے تھے اس طرف اغثنی یا رسول اللہ کے نعرے تھے، یا غوث المدد کی صدائیں تھیں اور دوسری طرف انگریزوں کی گود میں بیٹھ کر تیر و کمان کی مشق جاری تھی...... مقابلہ آسان نہ تھا نجدیت کے علاوہ ان سفید چمڑے والوں سے بھی مقابلہ تھا۔ جن کا دل توے کی کالکھ سے زیادہ سیاہ اور سنگ ریزوں سے زیادہ سخت تھا۔

☆☆☆☆☆

(۶) مگر مردِ مومن کی آہ رنگ لا کر رہی۔ اہل سنت کے آنسو رحم و کرم کی موسلا دھار بارش بن کر رہے۔ یہاں تک کہ سرزمین بریلی کا مقدر اوجِ ثریا سے بھی بلند ہوا۔ شب دیجور کے پردے چاک ہوئے۔ ''پو پھٹی'' گگر نمودار ہوئی'' کرن ضیا پاش ہوئی'' آسمان ہدایت پر ایک نیا ستارہ چمکا۔ بزم علم میں ایک روشن چراغ منور ہوا۔ چمنستان مجددیت میں ایک شاداب پھول کھلا۔ جس نے عجم و عرب کو چمکایا اور جنوب و شمال کو اپنی عطر بیزیوں سے مہکایا۔ آیا کون آیا وہ ہی جس پر دنیا سنیت عقیدت کے ہار چڑھاتی ہے ہاں وہ آیا۔ جو سفینۂ سنیت کا ناخدا بن کر آیا۔ جو قلم کا بادشاہ اور زبان کا دھنی بن کر آیا۔

جس کو ہماری زبان میں تاجدار اہل سنت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت عبدالمصطفی مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نامی سے یاد کیا جاتا ہے۔ جن کا نام آج بھی زندہ ہے اور قیامت کی صبح تک ان کی عظمت و شوکت کی پرچم کشائی ہوتی رہے گی۔

☆☆☆☆☆

(۷) ویسے تو اعلیٰ حضرت کی زندگی پیکر علم و عمل تھی۔ علماء عرب و عجم نے خراج عقیدت پیش کیا۔ جس کی ادنیٰ شہادت حسام الحرمین ہے۔ جس میں علمائے عرب نے اعلیٰ حضرت کے فتاوے کی نہ صرف تصدیق فرمائی بلکہ آپ کے علمی فضل و کمال کا اعتراف کرتے ہوئے تقریظات کا حصہ بھی شامل فرمایا۔ لیکن آج ہمیں اس مسئلہ پر توجہ کرنی ہے کہ وہ کون سے خصوصی علل و اسباب ہیں جس کی بناء پر دنیا امام اہل سنت کو مجدد ماننے پر مجبور ہے۔ اس موقع پر مجھے اپنی بے مائیگی کا پورا پورا احساس ہے کہ میں ایسی سنگلاخ زمین میں قدم رکھ رہا ہوں جس کا میں قطعی طور پر اہل نہیں۔ محترم مخلص مفتی ظفر علی صاحب نعمانی پرنسپل دار العلوم امجدیہ کراچی کا مرسلہ پیکٹ جس وقت مجھے موصول ہوا اور کتاب کے سرورق ''حیات اعلیٰ حضرت'' پر نظر پڑی تو وفورِ شوق میں اوراق گردانی کرنے لگا۔ مگر اپنی حرماں نصیبی کہ جس عنوان کا

متلاشی تھا وہ مجھے نہ مل سکا۔ یعنی اعلیٰ حضرت کی شان تجدید۔ میرے خیال میں جلد اول کا سب سے اہم اور ضروری باب یہی تھا کہ اعلیٰ حضرت کی مجددیت پر سیر حاصل گفتگو کی جاتی۔ اس کے بعد زندگی کے دوسرے گوشوں پر روشنی ڈالی جاتی۔ ہو سکتا ہے بعد کے دوسرے نسخوں میں حضرت ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین صاحب قبلہ پرنسپل جامعہ لطیفہ کٹیہار نے اس خصوصی مسئلہ پر گفتگو فرمائی ہو۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو سکا تو مکتبہ کراچی کو چاہیے کہ وہ موصوف سے اس عنوان پر ایک علمی و تحقیقی مقالہ لے کر دوسری یا تیسری جلد میں شامل کر دے۔ ورنہ میری نگاہ میں حیات اعلیٰ حضرت ایک عالم و فاضل کی تاریخ تو کہی جائے گی مگر وہ کسی مجدد کی تاریخ نہ بن سکے گی۔ ضرورت ہے کہ اعلیٰ حضرت کی شان تجدید پر محققانہ گفتگو کی جائے۔ یہ تنقید و تبصرہ نہیں۔ بلکہ اپنی رائے ناقص کا اظہار ہے۔

گر قبول افتد زہے عزو شرف

☆☆☆☆☆

(۸) اعلیٰ حضرت کے عہد زندگی پر مختلف لوگوں نے اپنے اپنے انداز سے گفتگو کی ہے۔ لیکن وہ کیا نہ تھے میری نگاہ میں اعلیٰ حضرت چمنستان علم و ادب کے ایسے شاداب و بے مثل گلدستہ ہیں جس کی وجہ سے انہیں مجمع محاسن اور جامع کمالات کہا جا سکتا ہے۔ تبحر عالم جید فاضل مفتی دوراں، مناظر اعظم، فقیہ زماں، ماہر فلکیات، جامع معقول و منقول، آفتاب شریعت، ماہتاب طریقت، غرض کہ عربی گرامر سے لے کر ادب، معانی و بیان و بدیع، فقہ، تفسیر و حدیث، منطق و فلسفہ، علم جفر و تکسیر ہیات و ریاضی سب پر یکساں نگاہ تھی اور ہر ایک میں ایسی دستگاہ کامل حاصل تھی کہ کوئی ہم عصر اس باب میں آپ کا ہم پلہ نہیں۔ لیکن ان تمام محاسن کے ساتھ ایک اور بھی ایسی وہبی و وجدانی طاقت قدرت کی طرف سے ودیعت تھی۔ جو اعلیٰ حضرت اور آپ کے دوسرے ہم عصر علماء کے درمیان خط فاضل کھینچتی ہے۔ وہ ہے آپ کا مجدد کامل ہونا۔

☆☆☆☆☆
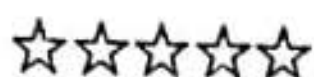
(۹) ایک مجدد کی تاریخ کو جانچنے و پرکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے گردوپیش ماحول پر کڑی نگاہ رکھی جائے تاوقتیکہ اس کے صحیح ماحول کا اندازہ نہ ہو سکے گا اس وقت تک اس کے کارتجدید پر بحث کرنی دشوار ہوگی۔

اعلیٰ حضرت کی زندگی کا خلاصہ یا نچوڑا حقاق حق و رد ابطال ہے۔ زندگی سے مراد آپ کی تصنیف و تالیف تقریر و تحریر اور وہ روایات جو یکے بعد دیگرے ہم تک پہنچی ہیں۔ جہاں تک رد وہابیہ کا تعلق ہے اس خصوص میں اعلیٰ حضرت کے متقدمین میں علامہ فضل حق خیرآبادی و مولانا فضل رسول بدایونی کا بھی نام لیا جا سکتا ہے۔ لیکن علامہ فضل حق کی تاریخ پر ان کا مجاہدانہ کردار اتنا غالب ہے کہ زندگی کے دوسرے نقوش کا نگاہ اول جائزہ نہیں لے سکتی اور مولانا فضل رسول بدایونی کی زندگی پر تصوف و کشف و کرامات کی ایسی حسین خلاف چڑھی ہے کہ زندگی کے دوسرے نقوش خود بخود اس میں گم ہو جاتے ہیں۔ علامہ فضل حق خواص کی نگاہ میں ایوان معقول کے سکپسیر سمجھے جاتے ہیں اور تاریخ بیں طبقہ کی نظر میں آزادی ہند کے تاجدار اول تصور کئے جاتے ہیں۔ مولانا فضل رسول بدایونی علماء کے طبقہ میں جید عالم اور عقیدت مندوں کے جھرمٹ میں مرشد کامل کی جگہ پاتے ہیں۔ لیکن امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب عالم شریعت شیخ طریقت متعلم و معلم راعی و رعایا' حاکم و محکوم ایک پروفیسر و پرنسپل سے لے کر تاجر و مل مزدور تک کی نگاہ میں مجدد کامل سمجھے جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

(۱۰) میں نے متقدمین کی فہرست میں کسی اور کا اضافہ اس لئے نہیں کیا چونکہ اصول موازنہ کا آئینی تقاضا ہے کہ نقاد کا نقاد سے' طبیب کا طبیب اور پروفیسر کا پروفیسر سے موازنہ کیا جائے غرض کہ دو ایسے مقابل جو کسی ایک وصف میں شریک ہوں یا امکان شرکت ہو ایسی ہی شخصیتوں کو ایک دوسرے کے مقابل لایا جا سکتا ہے چونکہ اعلیٰ حضرت کے کارتجدید میں نمایاں پہلو عقائد باطلہ کی تردید کو حاصل ہے اور اس

بارے میں اگر کسی کو آپ کا شریک و سہیم قرار دیا جا سکتا ہے تو علامہ فضل حق اور مولانا فضل رسول بدایونی کو لیکن ان دونوں کی زندگی میں یہ حصہ جزوی حیثیت سے نظر آتا ہے اور اعلیٰ حضرت کی پوری زندگی احیاء سنت اور ردّ ابطال کی آئینہ دار ہے۔ یہ موازنہ من حیث تجدید نہیں ہے بلکہ محض رد وہابیہ کے مخصوص شعبہ سے متعلق ہے۔

امام اہل سنت کا کار تجدید ۱۴ برس کی عمر سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا۔ اوائل عمر میں جو داغ بیل ڈالی گئی زندگی کے آخری حصے میں پروان چڑھ رہی۔ اللہ اکبر نہ پوچھئے' اس مرد حق بیں کی مجاہدانہ تاریخ کہ زمین ہند پر نہ معلوم کتنے صاحب کمال آسمان بن کر چھائے تھے۔ مگر شیر حق کی ایک گرج نے زمین ہند کی کایا پلٹ دی۔

☆☆☆☆☆
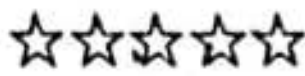
(۱۱) فرنگی محل کی عظیم ترین شخصیت جس کو آثار السلف کہا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی رحمتہ اللہ علیہ وہ بھی سیاسیات کا بہتا ہوا دھارا نہ سمجھ سکے جس وقت ہندوستان کے محبوب لیڈر مولانا محمد علی جوہر اور ان کے دوسرے حوارین تحریک خلافت کی قیادت اپنے ہاتھ لئے ہوئے تھے اور کانگریس کے مایہ ناز لیڈران بھی ترکی و برطانیہ جنگ کے احتجاج میں ہندی مسلمانوں کے دوش بدوش تھے۔ ایسے نازک وقت میں حضرت مولانا عبدالباری صاحب رحمتہ اللہ علیہ تحریک خلافت کے ایک جزوَ بن گئے تھے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کی عاقبت اندیش نگاہ مستقبل سے ناآشنا نہ تھی۔ چنانچہ حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمتہ اللہ علیہ کو وحید عصر حضرت مولانا عبدالباری علیہ الرحمہ کی خدمت گرامی میں بھیجا گیا کہ مولانا اپنے الفاظ سے رجوع فرمالیں۔ قربان جایئے ان حق پرستوں کی للّٰہیت پر کہ نہ تو توبہ لینے والے کو کسی شخصیت کے سامنے جھجک اور نہ تو رجوع کرنے والے کو کسی قسم کی شرم و عار یہ ہے اعلیٰ حضرت کی وہ جرات

بیباک جس کے سامنے اکابر علماء کی گردنیں جھک گئی تھیں۔

(۱۲) اگر ایک طرف مولوی شبلی نعمانی کا قلم آزاد خیال طبقے سے خراج عقیدت حاصل کر رہا تھا تو دوسری طرف اعلیٰ حضرت کا زور قلم علماء عرب و عجم کو دعوت فکر دے رہا تھا مگر قلم کی وہ پختہ کاری جو اعلیٰ حضرت کی تصنیف و تالیف میں پائی جاتی ہے وہ دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔

مولوی شبلی نعمانی کی تالیفات سے سیرت النبی مایہ ناز تالیف ہے۔ لیکن ارباب فکر و نظر پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ سیرت النبی میں مولانا شبلی نے مسئلہ معراج پر گفتگو کرتے ہوئے نقص و روایات کا تسلسل باندھ دیا ہے۔ مگر اس فیصلہ میں ان کا قلم خاموش ہے کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو آیا معراج جسمانی تھی یا روحانی یہ ایک مولف کی بہت بڑی کمزوری ہے بلکہ ایسی صورت میں اس کی عدم تحقیق اس کا کتمان حق تصور کیا جاتا ہے۔
اگر سیرت النبی میں واقعات کی فراہمی ہی کو دخل ہوتا تو میں اس مسئلہ کو نہ چھیڑتا۔ لیکن حضور کی ولادت سے متعلق ۹ ربیع الاول کی اپنی تحقیق پیش کرنا یا واقعہ ہجرت پر گفتگو کرتے ہوئے غار ثور پر کبوتر کے انڈا دینے سے انکار یا معجزہ شق القمر کی روایت پر جرح کرنا وغیرہ وغیرہ اور مسئلہ معراج میں روایتوں کی فراہمی کے بعد اظہار حقیقت میں خاموش رہنا کچھ تو ہے ''جس کی پردہ داری ہے'' کا مصداق ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کے قلم میں نقل روایات کے ساتھ تحکم اور قوت فیصلہ کی بے پناہ طاقت موجود تھی۔ یہی وہ طاقت ہے جو دوسرے علماء کے درمیان اعلیٰ حضرت کو شرف امتیاز بخشتی ہے۔

☆☆☆☆☆

(۱۳) بات بہت دور آ گئی۔ مقصود صرف یہ ہے کہ اب اعلیٰ حضرت کو ایسے ماحول میں دیکھنا ہے جہاں وقت کے ممتاز لوگ اپنے اپنے علمی فضل و کمال کی داد لے رہے تھے' البتہ ابتک میں نے جتنے نام پیش کئے ہیں ان میں کسی کو مجدد نہیں کہا گیا' خواہ وہ علامہ شبلی ہوں یا مولانا محمد علی یا حضرت مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ ایک ان میں سے مورخ ہے۔ دوسرا سیاسی لیڈر اور تیسری ذات گرامی متبحر عالم اور شیخ

طریقت۔ ہاں ایک نامی باقی رہ گیا جس کو ہندوستان کی ایک مخصوص ٹولی اپنا خانہ ساز مجدد تصور کرتی ہے۔ وہ بہشتی زیور کے مولف مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ تھانوی صاحب کا موازنہ کس حیثیت سے اعلیٰ حضرت سے کیا جائے۔

☆☆☆☆☆
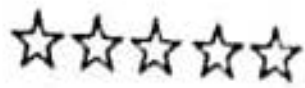
(۱۴) ہاں اگر پیر کی مخالفت کرنے والا مجدد ہو سکتا ہے تو تھانوی صاحب نے مسئلہ میلاد و قیام وغیرہ میں اپنے روحانی باپ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی مخالفت کی ہے اس نہج سے انہیں مجدد کہا جا سکتا ہے۔ اگر آپ کی اصطلاح میں ایسے مولف کو مجدد کہتے ہیں جس کی عبارت میں نہ صرف ایہام توہین بلکہ رسول پاک کی کھلی ہوئی توہین ہو تو حفظ الایمان کے مولف شاتم رسول جناب تھانوی صاحب کو مجدد کہا جا سکتا ہے جس میں سرور کائنات کے علوم غیبیہ کو جانور، پاگل مجنوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ العیاذ باللہ من ذالک اگر آپ کی اصطلاح میں مجدد ایسے مصلحت اندیش کو کہتے ہیں کہ جب تک زمین سازگار نہ ہو کتمانِ حق کیا جائے اور اپنے عقائد باطلہ پر پردہ ڈال کر زمین بنائی جائے تو کان پور کی سرزمین پر تھانوی صاحب نے پہلے اسی اصول کو برتا ہے جیسے جیسے زمین بنتی گئی شرک و بدعت کو رواج دینے لگے۔

اگر آپ کا یہی اصول ہے کہ دین میں نئی بات پیدا کرنے والا مجدد ہے خواہ وہ بدعات و منکرات ہی کا رواج کیوں نہ دیتا ہو تو مجھے معاف فرمایئے۔ ایسے مجدد کی پہلی کڑی حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی ذات گرامی نہ قرار پائے گی، بلکہ ایسے مجدد کا رشتہ تو ابوجہل اور یزید سے جوڑنا پڑے گا اور اگر تصنیف و تالیف کی کثرت و بہتات پر نگاہ ہے کہ تھانوی صاحب نے بہت سے رسائل لکھے ہیں تو مصنف اپنے قلم سے پہچانا جاتا ہے اس اصول کے پیش نظر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے دسترخوان کرم کے خوشہ چیں فقیہ اعظم مولانا امجد علی صاحب کے بہار شریعت اور تھانوی صاحب کی بہشتی زیور کا اگر

موازنہ کیا جائے تو یہ ادعائے محض نہیں بلکہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ بہشتی زیور کے دس حصہ پر بہار شریعت کا ایک حصہ وزنی ہے بلکہ دس حصے کو بہار شریعت کے ایک حصے سے کوئی نسبت نہیں۔

اب میں آپ کی زبان عدالت کا فیصلہ چاہتا ہوں کہ جس کی معرکتہ الاراء تصنیف، بہار شریعت کے مقابل نہ لائی جا سکے وہ فتاوی رضویہ کے مقابل کس طرح لائی جا سکتی ہے جس کی ایک ایک سطر میں علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ محفوظ ہے۔ اب آپ ہی بتلایئے کہ اعلیٰ حضرت اور تھانوی صاحب کے درمیان وہ کون سا قدر مشترک ہے جس کی بناء پر ایک دوسرے کے مقابل لایا جا سکے۔ اس لئے جمہور علماء کا باتفاق رائے یہ آخری فیصلہ ہے کہ اعلیٰ حضرت بغیر کسی موازنہ کے اس صدی کے مجدد کامل تھے۔

مگر یہ واضح رہے کہ اس آخری صدی کے مجدد کی شان ہی نرالی تھی۔ پوری زندگی احیاء سنت اور فرقہ باطلہ کی تردید میں گزاری مگر نوک قلم پر کبھی ایسی بات نہ آئی۔ جس سے اشارۃً وکنایۃً یہ سمجھا جا سکے کہ یہ شخص اپنے کو مجدد کہلانا چاہتا ہے لیکن آج ایسے بھی صاحب قلم ہیں جو اپنی کتاب ہی کا نام تجدید و احیاء دین رکھتے ہیں۔ جیسا کہ جناب سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی تاکہ ان کی جماعت کتاب کا نام ہی دیکھ کر انہیں مجدد کہہ سکے۔

اے پروردگار عالم جب تک آسمان کے ستاروں میں چمک اور مرغزاروں میں کوئلوں کی کوک اور پپیہا کی ترنم خیز صدائیں گونج رہی ہوں۔ اے کائنات کے پالنہار جب تک سمندر کی روانی اور سطح سمندر پر مچھلیوں کا کھیل کود ہو۔ اے خالق کائنات جب تک کائنات کی چہل پہل اور گردش لیل ونہار ہو۔ اے رب کریم جب تک صحن گلشن میں کلیوں کی مسکراہٹ اور پھولوں کے حسین قہقہے پر بلبلوں کی نوا سنجی ہو۔ اس وقت تک آقائے نعمت سیدی مولائی تاجدار اہل سنت مجدد دین و ملت مولانا شاہ عبدالمصطفیٰ محمد احمد رضا خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر ترے رحم و کرم کے پھولوں کی بارش ہو۔

آمین ثم آمین۔

فاضل بریلوی

از: امیر طریقت حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو
قسیم جان عرفاں اے شہٖ احمد رضا تم ہو

غریق بحر الفت مست جام بادۂ وحدت
محب خاص منظور حبیب کبریا تم ہو

جو مرکز ہے شریعت کا مدار اہل طریقت کا
جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیاء تم ہو

یہاں آ کر ملیں نہریں شریعت اور طریقت کی
ہے سینہ مجمع البحرین ایسے رہنما تم ہو

حرم والوں نے مانا تم کو اپنا قبلہ و کعبہ
جو قبلہ اہل قبلہ کا ہے وہ قبلہ نما تم ہو

مزین جس سے ہے تاج فضیلت تاج والوں کی
وہ لعل پر ضیا تم ہو وہ در بے بہا تم ہو

عرب میں جا کے ان آنکھوں نے دیکھا جس کی صولت کو
عجم کے واسطے لاریب وہ قبلہ نما تم ہو

ہیں سیارہ صفت گردش کناں اہل طریقت یاں
وہ قطب وقت اے سرخیل جمع اولیا تم ہو

عیاں ہے شان صدیقی تمہاری شان تقویٰ سے
کہوں اتقی نہ کیونکر جب کہ خیر الاتقیا تم ہو

جلال و ہیبت فاروق اعظم آپ سے ظاہر
عدو اللہ پر اک حربہ تیغ خدا تم ہو

اشداء علی الکفار کے ہو سر بسر مظہر
مخالف جس سے تھرائیں وہی شیر و غاتم ہو

تمہیں نے جمع فرمائے نکات ورمز قرآنی
یہ ورثہ پانے والے حضرت عثمان کاتم ہو

خلوص مرتضٰی خلق حسن عزم حسینی میں
عدیم المثل یکتائے زمن اے باخدا تم ہو

تمہیں پھیلا رہے ہو علم حق اکناف عالم میں
امام اہل سنت نائب غوث الوریٰ تم ہو

بھکاری تیرے در کا بھیک کی جھولی ہے پھیلائے
بھکاری کی بھرو جھولی گدا کا آسرا تم ہو

وفی اموالھم حق ہر اک سائل کا حق ٹھہرا
نہیں پھرتا کوئی محروم ایسے با سخا تم ہو

علیم خستہ اک ادنیٰ گدا ہے آستانہ کا
کرم فرمانے والے حال پر اس کے شہا تم ہو

تحفہء سلام

بر امام اہل سنت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی قدس سرہ

سلام اس پر کہ جس نے خدمت تجدید ملت کی
سلام اس پر کہ جس نے خدمت تبلیغ سیرت کی

سلام اس پر کہ جس نے راہ دکھلائی شریعت کی
سلام اس پر کہ جس نے راہ بتلائی طریقت کی

سلام اس پر کہ جس نے عزت شان نبوت کی
سلام اس پر کہ جس نے حرمت جان رسالت کی

سلام اس پر کہ جس نے رہبری کی اہل سنت کی
سلام اس پر کہ جس نے شرم رکھ لی دین و ملت کی

سلام اس پر کہ جس نے رمز قرآنی کو بتلایا
سلام اس پر کہ جس نے معنی مستور سمجھایا

سلام اس پر کہ جس نے حل کیئے عقدے مسائل کے
سلام اس پر طریقے جس نے بتلائے دلائل کے

سلام اس پر کہ جس نے رد کیئے باطل عقائد کو
سلام اس پر کہ کچلا جس نے ان حشود و زوائد کو

سلام اس ذات پر جو واقف سر حقیقت تھی
سلام اس ذات پر جو ہادی راہ طریقت تھی

سلام اس ذات پر جو بزم آرائے شریعت تھی
سلام اس ذات پر جو پاسبان دین فطرت تھی

سلام اس ذات پر جو صاحب عشق نبوت تھی
سلام اس ذات پر جو شارح حسن و محبت تھی

سلام اس ذات پر جو چشمہ جان عقیدت تھی
سلام اس ذات پر جو صاحب حسن بصیرت تھی

سلام اس پر کہ جس کے روبرو خم یہ زمانہ ہے
اور اس کیفی کو بھی جس سے عقیدت والہانہ ہے

از: جناب ڈاکٹر کیفی صاحب بکسری شاہ آبادی

سیدنا امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجددیت

صحیح حدیث میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ان اللہ تعالیٰ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجد ذلھا دینھا بیشک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی پر ایسے شخص کو قائم کرے گا جو اس دن کو از سرنو نیا کر دے گا رواہ ابو داؤد و الحاکم فی مستدرک والبیہقی فی المعرفۃ ذکرہ الامام الجلیل جلال الدین السیوطی فی الجامع الصغیر فی حدیث البشیر النذیر د المدخل وحسن ابن سفیان والزاہد فی مسانید ہم و الطبرانی فی المعجم اولاوسط و ابن عدی فی الکامل و ابونعیم فی الحلیہ علامہ حنفی حاشیہ سراج المنیر میں فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے فرمایا کہ حفاظ کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے جن محدثین نے اس کی صحت کی تصریح فرمائی ان میں علامہ ابوالفضل عراقی علامہ ابن حجر متاخرین علماء میں سے اور حاکم مصنف صحیح مستدرک اور بیہقی صاحب مدخل متقدمین محدثین سے ہیں امام جلال الدین سیوطی مرقاۃ السعود حاشیہ ابوداؤد میں فرماتے ہیں اتفق الحفاظ علی تصیحیہ حفاظ محدثین کا اس حدیث کی تصحیح پر اتفاق ہے علامہ شیخ علی ابن احمد عزیزی سراج منیر شرح جامع الصغیر مین فرماتے ہیں کہ لفظ اول کی قید احترازی نہیں بلکہ غالبی ہے اس لئے کہ اول صدی کے مجدد بالاتفاق خلیفہ راشد خامس الخلفاء الراشدین حضرت سیدنا عمر ابن عبدالعزیز ہیں جن کی ولادت ۹ھ اور وفات ۱۰۱ھ میں ہے اور تجدید دین کے یہ معنی ہیں کہ ان میں ایک صفت یا چند صفتیں ایسی پائی جائیں جن سے امت محمدیہ کو دینی فائدہ ہو جیسے تدریس وعظ امر بالمعروف نہی عن المنکر لوگوں سے مکروہات کا دفع اہل حق کی امداد مجدد کے لئے

خاص اہلبیت سے ہونے کی ضرورت نہیں نہ مجتہد ہونا لازم لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ سنی صحیح العقیدہ عالم فاضل علم وفنون کا جامع اشہر مشاہیر زمانہ بے لوث حامی دین بے خوف قامع مبتدعین ہو حق کہنے میں نہ خوف لومتہ لائم ہو نہ دین کی ترویج میں دینوی منافع کی طمع متقی پرہیز گار شریعت وطریقت کے زیور سے آراستہ رزائل وخلاف شرع سے دل برداشتہ ہو لیکن حسب تصریح علامہ ذھبی مجدد کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس صدی میں پیدا ہو اس کے خاتمہ اور جس صدی میں انتقال کرے اس کے اول میں وہ مشہور معروف مشار الیہ بالبنان ہو مجدد کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ علماء عصر قرائن احوال اور اس کے علوم سے انتفاع دیکھ کر اس کے مجدد ہونے کا اقرار کریں اس لئے مجدد کو علوم دینیہ ظاہرہ باطنہ کا عالم حامی السنتہ قامع البدعتہ ہونا چاہیے لیکن یہ ضرور نہیں کہ مجدد ہر صدی پر ایک ہی ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ ایک کے علاوہ کئی شخص الگ شعبوں کے مجدد ہوں کماقاله المناوی رجلاً کان اواکثر علامہ محمد طاہر فتنی مجمع بحارالانوار میں فرماتے ہیں من یجددلها دینها کے مصداق میں علماء نے اختلاف کیا تو ہر فرقہ نے اس کو اپنے امام پر محمول کیا اور بہتر ہے کہ عموم پر محمول کیا جائے اور صرف فقہا کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے اس لئے کہ امت کو اولی الامر یعنی خلفاء ومحدثین قراء واعظین زہاد سے بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور راس کل مائۃ سنۃ سے مراد یہ ہے کہ صدی گزرے اور مجدد زندہ مشہور عالم ہو اور حدیث شریف میں اشارہ اکابر کی ایک جماعت کی طرف اشارہ ہے جو ہر سو برس کے سرے پر ہوئے ہیں تو (۱) مجدد مائۃ اولی حضرت عمر ابن عبدالعزیز اور فقہا ومحدثین وغیرہم سے بے شمار ہیں اور (۲) مجدد مائۃ ثانیہ خلیفہ مامون رشید حضرت امام شافعی امام حسن بن زیاد واشہب مالکی علی بن موسیٰ یحییٰ بن معین حضرت معروف کرخی اور (۳) مجدد مائۃ ثالثہ خلیفہ مقتدر باللہ حضرت امام ابوجعفر طحاوی حنفی امام ابوالحسن اشعری امام نسائی اور (۴) مجدد مائۃ رابعہ خلیفہ قادر باللہ امام ابو حامد اسفرائنی ابوبکر محمد خوارزمی حنفی اور (۵) مجدد مائۃ خامسہ خلیفہ باللہ حضرت امام غزالی قاضی فخر الدین حنفی وغیرہم اھ شیخ الاسلام بدر الدین ابدال رسالہ مرضیہ فی نصرۃ مذہب الاشعریہ میں فرماتے ہیں کہ مجدد معاصرین کے غلبہ ظن سے

پہچانا جاتا ہے اس کے قرائن احوال اور اس کے علم کے انتفاع کے سبب سے اور نہیں ہوتا
ہے مجدد مگر عالم علوم دینیہ ظاہرہ و باطنہ کا جو ناصر سنت اور قامع بدعت ہو پھر کبھی مجدد
سارے جہاں میں فقط ایک ہی ہوتا ہے جیسے خلیفہ راشد حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ
تعالیٰ عنہ پہلی صدی کے مجدد بالاتفاق ہیں اور دوسری صدی کے مجدد امام شافعی ہیں اس
لئے کہ محققین کا اجماع ہے کہ یہ اپنے زمانہ میں تمام علماء سے اعلم و افضل تھے اور کبھی مجدد
دو یا جماعت ہوتی ہے اگر کسی ایک عالم پر اجماع نہ ہو سکا پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ صدی
کے درمیان کوئی ایسا شخص بھی ہو جو مجدد سے افضل ہو لیکن مجدد جب ہوگا تو راس المائۃ پر
ہوگا کیونکہ عموماً ایسا ہی کہ صدی ختم ہوتے ہوتے علماء امت بھی ختم ہو جاتے ہیں دینی
باتیں مٹنے لگتی ہیں بدمذہبی و بدعت ظاہر ہونے لگتی ہے اس وقت دین کے تجدید کی
ضرورت پڑتی ہے اس وقت اللہ تعالیٰ ایسے عالم کو ظاہر کرتا ہے جو ان خرابیوں کو دور کرتا
ہے اور علی الاعلان ان برائیوں کو سب کے سامنے بیان کر کے دین کو از سر نو نیا کر دیتا
ہے وہ سلف صالحین کا بہتر عوض خیر الخلف نعم البدل ہوتا ہے۔ اھ امام جلال الدین سیوطی
مرقاۃ الصعود شرح سنن ابو داؤد میں فرماتے ہیں علامہ ابن اثیر نے فرمایا کہ علماء نے
حدیث ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنہ من یجدد لھا دینھا کی
تاویل میں ہر ایک نے اپنے زمانہ میں اختلاف کیا ہے اور اشارہ کیا اس شخص کی طرف
جو صدی کے سرے پر دین کی تجدید میں لگا ہو تو ہر ایک اپنے مذہب کے حامی و ناصر کی
طرف مائل ہوئے اور بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ اولی یہ ہے کہ اس حدیث کو عموم پر محمول
کیا جائے اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک من یجدد لھا دینھا
کا اقتضا نہیں ہے کہ صدی کے سرے پر مجدد فقط ایک ہی شخص ہو بلکہ کبھی ایک ہوتا ہے
اور کبھی ایک سے زائد اس لئے کہ امت کا اصل انتفاع امور دین میں ہے لیکن اس کے
سوا دوسری امور میں بھی انتفاع بہت ہوتا ہے۔ مثلاً اولوالامر اہل حدیث قراء و واعظین
عابد زاہد لوگ اپنے فنون سے ایسا نفع امت کو پہنچاتے ہیں جو دوسرے سے ممکن نہیں اس
لئے کہ اصل دین میں فقط قانون سیاست ہے اور اشاعت عدل و انصاف ہے جس کی

وجہ سے ضبط روایات ہوتی ہے اور زہاد اپنے وعظوں سے امت کو نفع پہنچاتے ہیں اور لوگوں کو تقویٰ پر ابھارتے ہیں اور دنیا میں زہد کرنا سکھاتے ہیں تو بہتر اور ٹھیک یہ بات ہے کہ من یجدد سے اکابر مشہورین کی ایک جماعت کی ہر صدی پر حدوث وظہور کی طرف اشارہ ہو جو لوگوں کے دین کی حفاظت کریں اور برائیوں وخرابیوں و بے دینیوں کو بتا کر دین کی تجدید کریں گے لیکن باایں‌ہمہ یہ ضرور ہے کہ مجدد وہی شخص ہوگا کہ صدی کے شروع میں عالم مشہور مشار الیہ ہو یعنی ان فنون میں سے کسی فن میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوں اور ورنہ صدی کے شروع ہونے کے قبل بھی ضرور ایسے علماء ہوں گے جو دین کی خدمت میں منہمک ہوں گے لیکن مجدد سے مراد یہ ہے کہ جس وقت صدی ختم ہو اور دوسری صدی شروع ہو اس وقت وہ عالم مشہور زندہ اور مشار الیہ ہو اھ ماہ رجب ۱۲۹۹ھ میں سلہٹ سے مولوی ابو علی محمد عبدالوہاب صاحب نے جناب مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی فرنگی محلی مرحوم مغفور کے پاس اس حدیث شریف کے متعلق ایک استفتا بھیجا تھا جس میں چند باتیں دریافت کی تھیں جو مجموعہ فتاویٰ جلد دوم ۱۵۱،۱۵۲ میں مع جواب مکتوب ہے اس جگہ مختصراً نقل کرنا خالی فائدہ سے نہیں حدیث **ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ الخ** میں راس آخری صدی مراد ہے یا راس آغاز صدی اور مجدد کے شرائط اور علامات کیا ہیں اور پہلی صدی سے اس وقت تک کون کون مجدد ہوئے ہیں اور مولوی اسماعیل دہلوی اور ان کے پیر سید احمد بریلوی مجدد ہو سکتے ہیں یا نہیں علامہ لکھنوی نے ان سوالات کے حسب ذیل جوابات دیئے ہیں راس مائۃ سے مراد باتفاق محدثین آخر صدی ہے اور مجدد کے شرائط وعلامات میں ہیں کہ علوم ظاہرہ و باطنہ کا عالم ہو اور اس کے درس و تدریس تالیف و تصنیف وعظ و تذکیر سے نفع شائع و ذائع ہو اور احیائے سنت اور اماتت بدعت میں سرگرم ہو اور ایک صدی کے آخر اور دوسری صدی کی آغاز میں اس کے علم کی شہرت اور اس سے انتفاع معروف ومشہور ہو پس اگر آخری صدی نہیں پایا ہے اس سے اس زمانہ میں انتفاء احیائے شریعت حاصل نہ ہوا ہو تو وہ مجددین کی صفت سے خارج سمجھا جائے گا اور اس حدیث کا مورد و مصداق نہ ہوگا اور اس کا شمار مجددین میں نہ ہوگا (اس

کے بعد عبارت شیخ الاسلام بدر الدین و مرقاۃ الصعود امام جلال الدین نقل کر کے فرماتے ہیں) ان عبارات سے واضح ہوا کہ سید احمد بریلوی کہ ان کی ولادت ۱۲۰۱ میں ہوئی اور ان کے مرید اسماعیل دہلوی وغیرہ مصداق حدیث میں داخل نہیں ہیں مولوی اسماعیل دہلوی کی ولادت ۱۱۹۳ میں ہوئی اور دونوں کا انتقال ۱۲۴۶ میں ہوا تو سید احمد صاحب نے کوئی آخری صدی نہ پایا اور مولوی اسماعیل آخری صدی میں فقط سات سال کے بچے تھے اس لئے مجدد کے لئے ضرور ہے کہ آخر یک صدی اور دوسری صدی کے شروع میں اس صفت کے ساتھ موصوف ہو کہ اس کا نفع عام ہو اور اس کا اشتہار تام اور ان دونوں کی تیرھویں صدی کے وسط میں شہرت ہوئی اتنا زمانہ گزرا علماء نے تعین مجددین میں اسی صفت کا لحاظ کیا ہے جس کی تفصیل علامہ حافظ بن حجر عسقلانی کے رسالہ مسمی بہ الفوائد الجمۃ فی من یبعثہ اللہ لھذہ الامۃ اور امام جلال الدین سیوطی کے رسالہ مسمی بہ متنبہ بمن یعثہ اللہ علی راس المائۃ وغیرہ میں ہے ان رسائل کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ (۱) مجدد مائۃ اولی بالاتفاق خلیفہ راشد حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تھے اور (۲) مجدد ماتہ ثانیہ اتفاقاً امام شافعی تھے۔ اور (۳) مجدد ماتہ ثالثہ قاضی ابو العباس ابن شریح شافعی امام ابوالحسن اشعری اور محمد بن جریر طبری تھے اور (۴) مجدد ماتہ رابعہ امام ابوبکر بن الباقلانی اور ابو الطیب صعلو کی وغیرہ تھے اور (۵) مجدد ماتہ خامسہ امام محمد بن محمد غزالی تھے اور (۶) مجدد ماتہ سادسہ امام فخر الدین رازی تھے اور (۷) مجدد ماتہ سابعہ امام تقی الدین ابن دقیق العبد تھے اور (۸) مجدد ماتہ ثامنہ زین الدین عراقی علامہ شمس الدین جزری سراج الدین بلقینی تھے اور (۹) مجدد ماتہ تاسعہ امام جلال الدین سیوطی علامہ شمس الدین سخاوی تھے اور مجدد ماتہ عاشرہ شہاب الدین رملی ملا علی قاری تھے اور مجدد ماتہ حادی عشر امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی متولد ۱۰ محرم ۹۷۱ متوفی ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ اور صاحب تصانیف کثیرہ شہیرہ زاہرہ و باہرہ حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی متولد سنہ متوفی ۱۰۵۲ میر عبدالواحد بلگرامی صاحب سبع سنابل شریف تھے اور بارھویں صدی کے مجدد سلطان دین پرور مالک بحر و بر ابو المظفر محی الدین اورنگ زیب بہادر

عالمگیر بادشاہ غازی متولد ۱۰۲۸ھ متوفی ۱۱۱۷ھ اور حضرت شاہ کلیم اللہ چشتی دہلوی متوفی ۱۱۴۳ اور حضرت شیخ غلام نقشبند لکھنوی متوفی ۱۱۲۶ھ قاضی محب اللہ بہاری متوفی ۱۱۱۹ھ تھے اگرچہ بعض خوش اعتقادوں نے مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کو بارھویں صدی کا مجدد کہا ہے مگر تصریحات علمائے کرام سے ثابت کہ وہ مجددوں کے احاطہ سے خارج ہیں اس شمار میں داخل نہیں اس لئے کہ شاہ صاحب موصوف کی ولادت ۱۱۱۴ھ اور وفات ۱۱۷۶ھ میں ہوئی تو ان کے علم وفضل و بزرگی و کمال میں کلام نہیں مگر مجدد کی جو اصل صفت ہے کہ ایک صدی کے آخر اور دوسری صدی کے اول میں اس کے افاضہ و افادہ کا شہرہ ہو حمایت دین و نکایت مفسدین میں مشہور ہو ان میں نہیں پائی جاتی کہ ان کی شہرت علمی وسط صدی میں ہوئی نہ کسی صدی کا آخر پایا نہ کسی صدی کا آغاز شہرت تو چیزے دیگر است نیز مجدد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی زبان و قلم حق گو حق نویس ہو زبان سے وہی بولے جو شریعت کے مطابق ہو قلم سے وہی لکھے جو شریعت کا حکم ہو حق کہنے میں زبان اس کی سیف قاطع اور قلم تیغ براں ہو جو بولے شریعت کے دائرہ میں ہو جو لکھے شریعت کی حد میں ہو ایک عامی اس کی تحریر یا تقریر لے۔ اس کے علم کے لئے کافی ہو ہر لفظ اس کا جچا تلا ہوا ہو جو کہے بے لوث کہے جو لکھے بے خوف لکھے حق کے کرنے یا کہنے میں کسی کی پرواہ نہ کرے گدائے میکدہ ہوں ہر طرح کی ہے پیالی میں کا مصداق نہ ہو مولانا شاہ ولی صاحب میں قطع نظر اس کے کہ نہ کسی صدی کے آخر میں ہوئے نہ دوسری صدی کے اول میں رہے پھر ان کی شہرت دو صدیوں میں اور ان کے علوم و معارف سے انتفاع کجا۔ ہر قسم کی باتیں ان کے یہاں موجود ہیں سنیوں کے بھی سردار ہیں ساتھ ساتھ وہابیت کے داغ بیل بھی ڈال رہے ہیں حجۃ اللہ البالغہ عجیب و غریب کتاب لکھی اگر کچھ حصے سنیوں کے بکار آمد ہیں تو ایک حصہ وہابی لئے ہوئے انگڑا رہے ہیں مولوی ابو یحیٰی امام خان نوشہروی نے تراجم علماء حدیث انہیں کے نام نامی سے شروع کیا ہے اور اس میں ان کو پورا اہل حدیث بلکہ بانی مذہب اہل حدیث یقین کیا کہ اہل حدیث کا باوا آدم انہیں کو قرار دے کر آگے شاخیں پھیلائی ہیں۔ ص ۵ پر تفہیم کی یہ

عبارت درج کی ہے فھمنی ربی اناجعلناک امام ھذہ الطریقه وسددنا طرق الوصول الی حقیقة القرب کلھا الیومغیر طریقة واحدۃ وھو محبتک والانقیادلک والسماء لیس من عاداک بسماء ولیست الارض علیه بارض فاھل الشرق والغرب کلھم رعیتک وانت سلطانھم علمواا ولم یعلموا فان علموا فازوا وان جھلوا خابوا یعنی مجھے خداوند عالم نے سمجھایا کہ ہم نے تم کو اس طریقہ کا امام بنایا اور حقیقت قرب تک رسائی کے سب رستوں کو بند کر دیا سوائے ایک طریقہ کے وہ طریقہ تیری محبت اور تیری فرمانبرداری ہے جو تیرا مخالف ہے اس کے لئے آسمان نہ آسمان ہے اور نہ زمین زمین ہے تمام روئے زمین کے لوگ پوربی ہوں یا پچھمی سب تیری رعایا ہیں اور تو ان سب کا بادشاہ ہے چاہے وہ جانیں یا نہ جانیں اگر وہ جانیں گے کامیاب ہوں گے اگر نہ جانیں گے گھاٹے اور نقصان میں رہیں گے پھر ص ۱۶ پر مسئلہ تقلید اور عمل بالحدیث کی سرخی قائم کر کے لکھا ہے۔

جناب حجۃ اللہ (شاہ ولی اللہ صاحب) اپنی مصنفات شروح احادیث مسوی والمصفی اور دوسری تصنیفات مثلاً عقدالجید الانصاف فی بیان سبب الاختلاف وغیرہ میں تقلید اور عمل بالحدیث کا موازنہ فرماتے ہوئے اتباع بالحدیث کو کھلے طور پر ترجیح دیتے ہیں لیکن اس بحث کو جس خوبی کے ساتھ حجۃ اللہ البالغہ میں پھیلایا نہایت پر لطف ہے کہ گویا تمام کتاب اسی بحث پر محتوی ہے' پھر ص ۲۰ پر لکھا ذرا اور آگے بڑھ کر (ص ۱۲۲ پر) بضمن باب حکایته الناس قبل المائة الرابعه ولبعدھا اس ذکر کو اور بھی وضاحت سے بیان فرمایا مگر ص ۱۳۵ پر زیادہ توضیح سے کام لیا اور بضمن من ابواب الاعتصام بالکتاب والسنة میں تو یہ راز بالکل فاش کر دیا فرماتے ہیں واقول الفرقة الناجیة ھم الاخدون فی العقید والعمل جمعیاً بما ظھر من لکتاب والسنة یعنی میں کہتا ہوں کہ فرقہ ناجیہ وہ ہے جو عقیدہ و عمل دونوں میں کتاب و سنت اور صحابہ و تابعین سے بظاہر النص فتوی جاری کرے اگرچہ صحابہ و تابعین نے ایسے مسائل میں جن کے لئے انہیں نص نہ ملی ہو باہم اختلاف ہی کیوں نہ کیا ہو پھر ص ۲۲ پر لکھا اسی کے ساتھ حدیث

اذا امن الامام فامنوا فانه من دافق تامینة تامین الملئکة غفر له ماتقدم من ذنبه نقل کرتے ہوئے باشارۃ النص آمین بالجہر کی تاکید فرماتے ہیں یہاں شاہ محمد فاخر زائر الہ آبادی مرحوم کا ماجرا قابل ذکر ہے حضرت زائر دہلی تشریف لائے جامع مسجد میں ایک نماز جہری میں بآواز لند آمین کہہ ڈالی دہلی میں یہ پہلا حادثہ تھا عوام برداشت نہ کر سکے جب آپ کو گھیر لیا تو فرمایا اس سے فائدہ نہ ہوگا تمہارے شہر میں جو سب سے بڑا عالم ہو اس سے مسئلہ دریافت کرو۔ لوگ آپ کو حضرت حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں لے گئے دریافت مسئلہ پر آپ نے فرمایا حدیث سے تو بآواز آمین کہنا ثابت ہے۔ مجمع یہ سن کے چھٹ گیا اب صرف مولانا محمد فاخر صاحب اور حضرت شاہ صاحب بصورت قرآن السبعدین باقی تھے شاہ محمد فاخر نے عرض کیا آپ کھلیں گے کب۔ فرمایا اگر کھل گیا ہوتا تو آپ کو آج کیسے بچا لیتا اور رفع الیدین کے باب میں فرماتے ہیں کہ والذی یرفع احب الی ممن لا یرفع فان احادیث الرفع اکثر واثبت حجة الله البالغه جلد۲ ص ۸ یعنی مجھے تو رفع یدین کرنے والا نہ کرنے والے سے زیادہ عزیز ہے کہ اثبات رفع یدین کی حدیثیں ترک رفع یدین کی احادیث سے تعداد میں زیادہ اور رتبہ میں قوی ہیں ترک تقلید پر مزید ارشاد عقد الجید ہی میں تقلید کی دو قسمیں واجب و حرام قرار دے کر فرماتے ہیں (۱) تقلید واجب ومارة هذه التقليد ان يكون عمله بقول المجتهد كالمشروط لكونه موافقاللسنة فلا يزال متفحصاً عن السنة بقدر الامكان فمتى ظاهر الحديث يخالف قول هٰذا اخذ بالحديث واليه اشار الائمة حجة الله البالغه جلد۲ ص ۸۴ یعنی تقلید واجب تو یہ ہے کہ اس کا عمل اگرچہ قول مجتہد کے موافق سہی مگر مشروط بہ سنت بھی ہو مگر صرف اس پر اکتفا نہ رہے بلکہ ہر آن ست کہ تلاش رکھے۔ پس جب بھی ایسے مقلد کو اپنے عمل سابق کے خلاف حدیث مل جائے تو وہ قول مجتہد کو چھوڑ کر اس حدیث کو اختیار کرے اسی طرف ائمہ کا اشارہ ہے۔ ب تقلید حرام فان بلغه حديث واستيقن بصحة لا يقبله لكون ذمته مشغولة بالتقليد فهذا اعتقاد فاسد و قول كاسد ليس له شاهد من النقل والعقل وما كان احد من

القرون السابقة یفعل ذلک حجة اللہ البالغه جلد۲ ص۸۵ یعنی پس اگر مقلد کو ایسی حدیث مل جائے کہ اس کی صحت بھی اس مقلد کے نزدیک یقینی ہو مگر اس پر بھی وہ (مقلد) اس حدیث کو قبول نہ کرے اس وجہ سے کہ جس تقلید کو اس نے خود ہی اختیار کر رکھا ہے وہ اس حدیث کے خلاف ہے تو ایسا عقیدہ فاسد اور ایسا قول مردود ہے کیونکہ نہ نقل و عقل سے اس کا ثبوت ملتا ہے نہ قرون سابق نے ایسا کیا پھر ص ۲۷ پر لکھا نیز عقد الجید میں فرماتے ہیں فان بلغنا حدیث من الرسول المعصوم الذی فرض اللہ علینا طاعته بسند صالح یدل علی خلاف مذهبه وترکنا حدیثه واتبعنا ذلک المتخمین فمن اظلم منا وما عذرنا یوم یقوم الناس لرب العالمین عقد الجید ص۴۰ یعنی پھر جب ہمیں رسول معصوم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیث جس کی اطاعت ہم پر واجب ہے سند صحیح کے ساتھ مل جائے مگر اسے امام کے شعار کے خلاف ہونے کی وجہ سے چھوڑ بیٹھیں تو پھر بتایئے کہ (رسول معصوم کی) حدیث ترک کرنے کی صورت میں ہم سے بڑا ظالم کون ہوگا اور اس ظلم کا جواب ہم قیامت کے دن رب العالمین کو کیا دیں گے، اسی عنوان (تقلید) کو تفہیمات الٰہیہ میں یوں رقم فرمایا اصول الشرع اثنان اية محكمة اوسنة قائمة لا يزيد عليهما وبالجملة فالرای فی الدين تحريف وفی القضاء حسنة ترجمہ شریعت (اسلام) کے اصول دو ہیں (۱) آیات محکمہ (۲) سنت، ان دونوں کے سوا کوئی اور شی دین میں مسلم نہیں ان غیر مسلمہ امور میں رای (قیاس) دین میں تحریف ہے اور قضا میں مستحسن پھر اخیر ص ۴۸ پر لکھا اور یہی ترک تقلید و اتباع سنت کی تاکید آپ کے وصایا سے مستفاد ہے...... ودر فروع پیروی علمائے محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن ودائما تفریعات فقہیہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن انچہ موافق باشد در چیز قبول آوردن والا کالرائے بدبر ریش خاوند زدن المقالتہ الوضیہ فی النصیحہ والوصیہ پھر لکھا جناب شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کے ان خوابوں کو کہاں تک نقل کیا جائے آپ کی تمام تصنیفات مہمہ ایک ایک ورق ان سے مزین ہے پس اہل علم و اصحاب دانش کے لئے یہی کافی ہے مزید طمانیت کے لئے دو حوالے اور نقل کئے جاتے ہیں وخود را

مقلد محض بودن ہرگز راست نمی آید و کارے نمی کشاید اکثر مفاسد در عالم از ہمیں جہت ناشی شدہ ازالۃ الخفاص ۲۵۷ اس سے زیادہ اور تبراء عن التقلید کیا ہوسکتا ہے جمعیکہ سرمایہ علم الیشاں شرح وقایہ و ہدایہ باشد کجا ادراک سرایں تو انند کرو ازالۃ الخفاص ۸۴ قاعدہ کی بات ہے کہ جو شخص کسی عقیدہ اور خیال میں ایسا پختہ ہو کہ ایک ہاتھ اس کے آفتاب اور دوسرے ہاتھ میں ماہتاب کو آسمان سے اتار کر دے دیں جب بھی وہ اپنے عقیدے سے باز نہ رہے ایسا پختہ شخص اس عقیدہ کو تبلیغ کر سکتا ہے اور لوگوں پر اس کا اثر بھی ہوگا کہ انچہ از دل خیز و بردل ریز دلیکن جو شخص باوجود دعویٰ حقیقت اتنا ضعیف العقیدہ ہو جس کے نمونے ان کی مصنفات سے بحوالہ صفحہ گزرے وہ دوسرے کو کیا تبلیغ کرے گا اور اگر بالفرض کہے سنے بھی تو اس کا اثر سامعین پر کیا پڑے گا اس لئے میری بے لوث رائے میں ایسے شخص کو مجددوں میں شمار کرنا سوائے خوش اعتقادی کے اور کچھ نہیں ہے پیر من خس است اعتقاد من بس است کا کوئی جواب نہیں البتہ مجدد ماتہ ثالث عشر ان کے فرزند دلبند و شاگرد رشید و مرید مستفید و خلیفہ و جانشیں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب متولد ۱۱۵۹ھ متوفی ۱۲۳۹ھ ہیں اس لئے کہ مجدد کے صفات کہ بارہویں صدی کے آخر میں صاحب علم و فضل زہد و تقویٰ مشہور دیار و اطراف تھے اور تیرھویں صدی کے آغاز میں ان کا طوطی ہندوستان میں بولتا تھا اور ساری عمر دینی خدمت درس و تدریس افتا و تصنیف وعظ و پند وحمایت دین و نکایت مفسدین میں اوقات صرف فرماتے رہے جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء اگر حمایت دینی کے جملہ کاموں سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو شیعوں کے رد میں ایک کتاب ان کی تحفہ اثنا عشریہ ہی کافی ہے کہ روز تصنیف سے اس وقت تک کوئی کتاب اس شان کی نہ لکھی گئی اور اسی طرح یقین ہے کہ یہ کتاب اپنے رنگ کی سب سے پہلی تصنیف ہے اس کے قبل بھی کوئی کتاب اس جامعیت کی نہ لکھی گئی مجھ سے ایک سفر میں جونپور کے ایک شیعہ عالم نے فخریہ بیان کیا کہ تحفہ اثنا عشریہ کا رد فلاں شیعہ عالم صاحب نے دس جلدوں میں لکھا ان کا انتقال ہوگیا تو ان کے صاحبزادہ فلاں صاحب قبلہ نے بارہ خلدوں میں رد لکھا ان کے انتقال کے بعد ان کے

صاحبزادہ فلاں صاحب پانچ جلد لکھ چکے ہیں اور ابھی یہ سلسلہ کتنوں جلدوں تک جاری رہے گا اس کو نہیں کہہ سکتا۔ ان مولوی صاحب کی غرض دھونس جمانا اور اپنے علماء کی تعریف کرنی اور تحفہ اثنا عشریہ کی بے قدری تھی کہ اس کے پرخچے اڑا دیئے گئے ہیں اور اڑائے جارہے ہیں مگر میرے ایک ہی جملہ نے انہیں بالکل مبہوت کر دیا میں نے کہا کہ تحفہ اثنا عشریہ کی قدر درحقیقت علمائے شیعہ ہی نے کیا تین پشت اس کے رد کرنے میں مشغول رہی مگر ابھی تک اس کا رد نہ ہو سکا جب تو ابھی اور جلدوں کی ضرورت ہے اسی طرح زبانی اجلہ ثقات سے میں نے سنا مولانا مولوی شاہ محمد فاخر صاحب الہ آبادی قدس سرہ فرماتے تھے کہ جب اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان لکھی اور سارے جہان کومشرک کافر بنانا شروع کیا اس وقت حضرت شاہ صاحب آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے اور بہت ضعیف بھی تھے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ میں تو بالکل ضعیف ہو گیا ہوں آنکھوں سے بھی معذور ہوں ورنہ اس کتاب اور اس عقیدہ فاسدہ کا رد بھی تحفہ اثنا عشریہ کی طرح لکھتا کہ لوگ دیکھتے۔ یہ دلیل ان کی مجدد مائۃ ثالث عشر ہونے کی بڑی ہے کہ حمایت دین میں عزیز وقرب کسی کا بھی پاس نہ کیا جائے پھر جو شخص حضرت شاہ صاحب کی سوانح عمری دیکھے گا جانے گا کہ وہ بے شک تیرھویں صدی کے مجدد تھے پندرہ سال کی عمر میں کتب درسیہ عقلیہ ونقلیہ سے فارغ ہو کر کامل پینسٹھ سال حمایت دین و نکایت مفسدین میں صرف فرمایا اور اسی سال کی عمر میں وصال فرمایا درس و تدریس میں معقولات کے علاوہ فقہ ومتعلقات فقہ کا تو التزام تھا مگر خاص چیز درس حدیث اور فتویٰ نویسی تھی جس کی شہرت ہندوستان سے باہر روم شام مکہ معظمہ مدینہ طیبہ بیت المقدس وغیرہ تک پہنچی ہوئی ہے قسطنطنیہ سے ملا رشیدی مدنی نے آپ کو ایک خط لکھا تھا جس کی چند سطریں ملاحظہ ہوں ''شاہ صاحب آپ کا کچھ ایسا بلاد اسلامیہ میں ہو رہا ہے کہ جب کوئی فتویٰ دیا جاتا ہے اور علماء اس پر اپنی مہریں کرتے ہیں تو ہر شخص فتویٰ میں آپ کی مہر تلاش کرتا ہے اور وہ فتویٰ جس پر آپ کی مہر ثبت نہ ہو زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا ہے آپ یہاں تشریف لے آئیں تو ہم لوگوں کے لئے بڑی فخر کی بات ہے اور سلطان ٹرکی بھی

آپ کی بڑی عزت کریں۔''

حیات طیبہ میں اسی طرح آپ کی درس تدریس کا شہرہ ہندوستان سے باہر تک پھیلا ہوا تھا آپ کی درسی خوبیاں آپ کے نامور شاگردوں کے نام ہی سے معلوم ہوسکتی ہیں۔ بطور نمونہ یکے از ہزارے یہ ہیں مولانا شاہ رفیع الدین آپ کے برادر خورد شاہ محمد اسحاق و شاہ محمد یعقوب حضرت کے نواسے مفتی صدرالدین خانصاحب دہلوی حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی مولانا شاہ مخصوص اللہ صاحب آپ کے برادر زادے حضرت مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی حضرت مولانا حسن علی صاحب لکھنوی حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب بدایونی کانپوری مصنف رسالہ اشباع الکلام فی المولد والقیام استاد شمس العلماء مولانا محمد سعید صاحب حسرت عظیم آبادی حضرت مولانا عادل صاحب کانپوری حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی بیہقی وقت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی حضرت ملحق الاصاغر بالاکابر وارث العلم والفضل والمجد کابراعن کابر مولانا شاہ آل رسول صاحب احمدی مارہری پیرومرشد اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی حضرت مولانا شاہ ابوسعید صاحب نبیرہ خواجہ معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی حضرت شاہ احمد سعید صاحب مجددی حضرت مولانا شاہ ظہور الحق صاحب قادری پھلواروی بانی خانقاہ عمادیہ منگل تالاب، پٹنہ سیٹی مولانا شاہ عبدالغنی ابو العلائی منعمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین درس و تدریس کے علاوہ وعظ و پند کا سلسلہ بھی زوروں پر تھا ہر جمعہ و سہ شنبہ کو پرانے مدرسہ کوچہ جیلان میں بیان فرماتے وعظ میں عام اجازت تھی کہ اثنائے تقریر میں اگر کسی کو شک وشبہ رہے تو بعد ختم وعظ دریافت کر کے تشفی کرلے۔ معترضین تل کر آتے اور منہ کی کھا کر واپس جاتے وعظ و تذکیر کا شغف اسدرجہ تھا کہ اخیر وقت میں بھی نہ چھوٹا مرض الموت میں مبتلا ہیں خود سے اٹھ کر بیٹھنے کی طاقت نہیں اس وقت فرمایا کہ مجھے اٹھا کر بیٹھا دو اور دو آدمی میرے مونڈھے پکڑے رہو لیکن جب بیان کرنا شروع کردوں تو دونوں شخص مجھے چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں چنانچہ آپ کے ارشاد کی فوراً تعمیل ہوئی اور آپ نہایت اطمینان سے وعظ فرماتے رہے گولب ولہجہ سے

ناتوانی و کمزوری کے آثار نمایاں تھے لیکن استقلال ویسا ہی رنگ جمائے ہوئے تھا وعظ ختم ہونے کے بعد آپ نے خدائے ذوالجلال کے دربار میں ہاتھ اٹھائے اور اپنے اور تمام مسلمانوں کے لئے خشوع وخضوع کے ساتھ دعا کی اس کے بعد آپ نے معرفت الٰہی میں عربی و فارسی کے چند اشعار ایسے دردناک لہجے میں پڑھے کہ سننے والوں کے جسم میں بھی سنسنی پیدا ہوگئی اور بدن پر رونگٹے رونگٹے کھڑے ہوگئے حیات ولی ص۴۴۳ پر بروز یکشنبہ بتاریخ ۷ شوال ۱۲۳۹ھ وفات پائی اور قبرستان مہندیاں عقب جیل خانہ (جواب مویوں کا قبرستان کہلاتا ہے) اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے اور چودھویں صدی کے مجدد مجدد مائتہ حاضرہ موید ملت طاہرہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکتہ صاحب تصانیف قاہرہ وتالیف باہرہ جناب مستطاب معلی القاب مولانا مولوی حاجی حافظ قاری محمد احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی بریلوی متعنا اللہ ببرکاتہ وحشرنا یوم القیمہ تحت رایاتہ ہیں اس لئے کہ حضور پرنور کی ولادت با سعادت ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ اور انتقال پرملال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ ہے تو تیرھویں صدی کا آپ نے ۲۸ سال دو مہینہ ۲۰ دن پایا اور علوم وفنون و درس وتدریس تالیف وتصنیف وعظ وتقریر میں مشہور دیار و امصار ادانی و اقاصی ہوئے اور چودھویں صدی کا ۳۹ سال ایک مہینہ ۲۵ دن پایا جس میں حمایت دین و نکات مفسدین احقاق حق ازہاق باطل اعانت سنت و اہانت بدعت میں جان و مال علم وفضل صرف فرمایا اور جس طرح بنا ہمیشہ شرع و مذہب کی نصرت اور خلاف دین متین کا رد وطرد کیا اور اس میں کبھی نہ لومتہ لائم کی پرواہ کی نہ کسی بڑے سے بڑے شخصیت کا خیال آڑے آیا نہ کبھی شہرت و مدح کی پرواہ کی نہ کسی کے طعن وقدح کے خیال سے حق کہنے میں کوتاہی فرمائی یہ رباعی بالکل حسب حال فرمایا۔

نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن ‏‏ نہ مرا ہوش بمدحے نہ مرا گوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نگنجد دروے ‏‏ جز من و چند کتابے و دواتے و قلمے

خداداد ذہن و حافظہ بھی ایسا ملا تھا کہ تیرہ سال ۱۰ مہینے کی عمر میں تمام مروجہ درسی کتابوں سے فراغت حاصل فرمالی میرے سامنے اس وقت مشاہیر و اکابر علما کی سوانح

عمریاں ہیں مگر اس وصف میں کوئی بھی آپ کا شریک وسہیم نہیں کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ ذکی ہوتے ہیں ان کا حافظہ اچھا نہیں ہوتا اور اگر یہ بھی ہوا تو وہ شوقین ومحنتی نہیں ہوتے پڑھنے میں جی نہیں لگاتے بلکہ جان چراتے ہیں لیکن یہاں سب خوبیاں بطور خرق عادت جمع تھیں یہ محض عطیہ الٰہی وموہبت رسالت پناہی ہے جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

عموماً علمائے کرام فارغ التحصیل ہونے کے بعد تصنیف وتالیف کے میدان میں قدم رکھتے ہیں اور اعلیٰ حضرت نے طالب علمی ہی کے زمانہ میں تصنیف فرمانا شروع کر دیا تھا جس کا مفصل بیان تصنیفات کے ذکر میں ہے جس دن فارغ التحصیل ہوئے اسی دن سے فتویٰ دینا شروع کر دیا پہلا فتویٰ جو لکھا ایسا صحیح اور درست مکمل و مدلل کہ والد ماجد صاحب عش عش کر گئے اور یہ سلسلہ یوم وصال تک جاری رہا افسوس کہ بہتیرے فتاویٰ کی نقل نہ لی جا سکی پھر بھی جو نقل ہو سکا بڑی تقطیع ۲۶×۲۰/۸ پر بارہ جلدوں میں ہے جس کی ہر جلد نو سو اور ہزار صفحہ کے درمیان ہے رسائل ومستقل تصنیفات چھ سو سے بالا ہیں جو پچاس فنون پر مشتمل ہیں آج ہمارے سامنے علماء متقدمین ومتاخرین کی فتاویٰ موجود ہیں مگر اس وصف میں بھی اعلیٰ حضرت اپنی آپ نظیر ہیں اتنا مفصل و مدلل اور صحیح فتاویٰ کسی کا دیکھنے میں کیا سننے میں بھی نہ آیا تصنیفات بھی اس قدر کثیر وعزیز امام جلال الدین سیوطی مجدد مائۃ عاشرہ کے بعد کسی کی دیکھی نہ سنی گئیں اگلے علما محرر المذہب امام محمد شمس الائمہ سرخسی صاحب مبسوط علامہ بیہقی علامہ ذہبی علامہ ابن حجر عسقلانی امام بدر الدین محمود عینی صاحب عمدۃ القاری شرح بخاری وغیرہم قدست اسرار ہم کو نہیں کہہ سکتا ورنہ دیگر علماء کی تصنیفات کو اعلیٰ حضرت کی تصانیف کثیرہ سے کوئی نسبت نہیں درس و تدریس بھی کسی مدرسہ میں ہو کر یا اپنا ہی مدرسہ قائم کر کے نہیں کیا لیکن ایک زمانہ تک مرجع طلبا رہے دور دور سے طلبہ آ کر استفادہ فرماتے سہارنپور و دیوبند کا مدرسہ اپنی طولانی عمر وقدامت کی وجہ سے بہت مشہور تھا لیکن وہاں کے چند طلبہ بھی دیوبند وگنگوہ چھوڑ کر درس حدیث وفقہ کے لئے بریلی شریف اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہاں

پوچھا کہ طلبہ کو ثمہ خیرا کا کے طلبہ کو خود تعجب ہوا اور ان لوگوں نے آنے والے طلبہ سے پوچھا کہ طلبہ کو ثمہ خیرا کا مرض ہوتا ہے ایک جگہ پڑھ رہے ہیں وہاں سے پڑھنا چھوڑ کر دوسری جگہ چل دیئے وہاں سے تیسری جگہ لیکن یہ عموماً ایسی جگہ ہوتا ہے کہ دوسری جگہ کی تعریف وہاں ہوتی ہو آپ لوگ دیوبند اور گنگوہ سے بریلی کس طرح پہنچے اس لئے وہابی مدرسوں میں اس کی توقع ہی نہیں کہ کسی اہل سنت عالم کی تعریف کریں اور وہ بھی اعلیٰ حضرت جیسے رد وہابیہ کی ان لوگوں نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ وہاں مولانا کی مدح و ثنا نہیں ہوتی مگر ایک بات کہنے پر وہ مجبور ہوتے تھے اگر کوئی تذکرہ نکلا تو اخیر میں ٹیپ کا بند یہ ہوتا تھا کہ قلم کا بادشاہ ہے جس مسئلہ پر قلم اٹھا دیا پھر نہ کسی موافق کو اضافہ کی ضرورت رہتی ہے اور نہ مخالف کو انکار کی گنجائش یہی صفت کشش کا باعث ہوئی جو دیوبند و گنگوہ کو چھوڑ کر بریلی پہنچے تو ۱۲۸۶ھ سے ۱۳۳۹ھ تک چون سال کے عرصہ میں کتنے سو نہیں کتنے ہزار طلبہ آپ کے علوم کی روشنی سے فیض یاب ہوئے کوئی نہیں کہہ سکتا' اس لئے کہ ان کا کوئی رجسٹر تو تھا نہیں جس میں سب کا نام داخلہ کے وقت لکھ لیا جاتا ہو اور اگر تصنیفات کے ذریعہ آپ کے علوم و فیوض سے مستفیض ہونے والوں کی تعداد معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ قریب قریب ناممکن ہے کہ ان کا شمار ہزار ہا ہزار سے بالا ہو کر لکھو کھا تک پہنچا ہے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم وعظ و پند کا طریقہ ابتداء میں تو بہت زوروں پر رہا شہر میں کوئی محلہ بلکہ سنیوں کا کوئی مکان ایسا نہ ہوگا جو حضور کے پند و نصائح سے محروم رہا ہو اگر چہ اخیر زمانہ میں جب کہ تصنیف و تالیف کی طرف توجہ کثیر کرنی پڑی اس سلسلہ میں کمی ہوگئی ہر سال چار جلسے وعظ کے مستقل طریقہ پر سال وصال تک قائم رہے دو جلسے میلاد شریف کے اپنے مکان پر ۱۲ ربیع الاول شریف کو روز شب میں یہ جلسہ اتنا بڑا اور اس قدر مرجع الخلائق تھا کہ اسی جلسہ کی شرکت اور اعلیٰ حضرت کے وعظ سے بہرہ یاب فیضاب ہونے کے لئے پورا شہر ٹوٹ پڑتا تھا اور اس تاریخ میں کوئی مجلس میلاد شہر میں نہیں ہوتی تھی تیسرا جلسہ وعظ ماہ شعبان میں طلبہ مدرسہ منظر اسلام کے دستار بندی کے موقع پر اور چوتھا جلسہ وعظ اپنے پیر و مرشد سید ناشاہ آل رسول احمدی

قدس سرہ العزیز کے عرس کے موقع پر ۱۸ ماہ ذی الحجہ الحرام کو ان دونوں وعظوں سے نہ صرف اہل شہر ہی بہرہ یاب ہوتے بلکہ اطراف و اکناف ہند سے رؤسا و علماء و شائقین جلسہ دستار بندی و عرس کی شرکت کے لئے آتے اور وعظ سے فیضاب ہوتے۔ اب آیئے حمایت دین و نکایت مفسدین معاندین دین متین کو دیکھئے تو آپ کا مولد و مسکن وہ صوبہ اور شہر ہے جہاں ہنود کی اکثریت ہے مسلمان فقط تیرہ فیصدی ہیں مکان بھی ایسے محلہ میں ہے جس محلہ کو دارالکفر کہنا کسی طرح مبالغہ آمیز نہیں محلہ سوداگران بجز آپ کے اور آپ کے عزیزوں کے چند مکانوں کے اور ایک سید مصاحب علی صاحب اور ایک میاں منیر بہشتی کے مکان کے پورا محلہ ہنود و برہمنوں کا ہے۔(۱) اس لئے آپ نے ہنود کے رد میں تصنیف فرمایا جس کا نمونہ دیکھنا ہو تو انفس الکفر فی قربان البقر ملاحظہ کریں۔

(۲) ہنود میں تعلیم یافتہ ایک جماعت ہے جس نے دیکھا کہ ہنود برابر مسلمان ہورہے ہیں یا عیسائیت کے چنگل پھنستے میں ان کی تعداد روز بروز گھٹتی جاتی ہے۔ سناتن دھرم تبلیغی جماعت نہیں کہ کچھ جائیں تو کچھ باہر سے آئیں اس طرح داخل خارج برابر رہا کرے بلکہ خارج ہوتے جاتے ہیں داخلہ ممکن نہیں اس لئے پنڈت دیانندسرتی نے آریہ سماج کے نام سے ایک مذہب جاری کیا اور اس میں دوسرے مذہب والوں کو داخل کرتے لگے۔ اعلیٰ حضرت نے اس کا بھی رد فرمایا نمونہ کیفر کردار آریہ ملاحظہ ہو (۳) کے زمانہ سے پہلے ہی اسلامی سلطنت ہندوستان سے رخصت ہو چکی تھی نصاریٰ کی حکومت اور عملداری تھی نصاریٰ اگرچہ اعتقاداً و عملاً نرے بے دین تھے پھر بھی روہن کیتھولک مذہب کے نام لیوا ہیں اور اس کی اشاعت و ترویج میں طرح طرح کی کوششیں کرتے لاکھوں روپے تبلیغ میں صرف کرکے لوگوں کو نصرانی بنانے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے اعلیٰ حضرت نے ان کے رد میں تین کتابیں تصنیف فرمائیں یہ تین فرقے غیر مسلم ہیں جو نہ مسلمان ہیں نہ اپنے کو مسلمان کہلانا چاہتے ہیں اب آیئے گھر کے فتنوں کو دیکھئے کتنے فرقے اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے اسلامی باتوں کی قطع و برید میں لگے ہوئے ہیں ۔

شاخ پر بیٹھ کے جڑ کاٹنے کی فکر میں ہے — کہیں نیچا نہ دکھائے تجھے شجرہ تیرا

حق سے بدین کے زمانہ کا بھلا بنتا ہے ارے میں خوب سمجھتا ہوں معمہ تیرا

ان میں سب سے زیادہ معروف و مشہور اور زمانہ کے مطابق چلنے اور سلطنت برطانیہ کی ہمنوائی کی وجہ دینوی حیثیت میں بڑھے چڑھے اور اسی وجہ (۴) مرجع العوام نیچری حضرات تھے اعلیٰ حضرت نے ان کے رد میں سات کتابیں تصنیف فرمائیں (۵) جب شش مثل کا فتنہ وہابیہ نے اٹھایا اور ہر طبقہ زمین میں آدم نوح ابراہیم و اسماعیل و محمد ان انبیاء کرام اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل مانا اور اس پر زور دیا تو اعلیٰ حضرت ان کے رد میں رسالہ مبارکہ تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال اور جوابہائے ترکی بہ ترکی ۱۲۹۲ھ میں تصنیف فرما کر شائع کیا جس کی وجہ سے یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے راہی ملک عدم ہو گیا (۶ جب مرزا غلام احمد قادیانی پہلے اپنے کو مثل مہدی پھر امام مہدی پھر مثل مسیح پھر مسیح پھر بہتر از مسیح ۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے

پھر دعویٰ نبوت کا کیا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توہین و تنقیص کی اعلیٰ حضرت نے اس کے رد میں چھ کتابیں تصنیف فرمائیں اور ایک ماہوار رسالہ بنام قہر الدیان علی مرتد بقادیان جاری کیا (۷) جب مولوی اسماعیل دہلوی کے اذناب و ذریات باوجود اشتراک فی الوہابیت ہر ایک نے ایک نئی نئی اوپچ نکالی (۸) کسی نے ختم نبوت کا انکار کیا (۹) کسی نے وقوع کذب باری تعالیٰ کو درست بتایا کسی نے مولود شریف سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کنہیا کا جنم کہا (۱۰) کسی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سا علم ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کیلئے مانا (۱۱) کسی نے تقلید ائمہ کو شرک و کفر ٹھہرایا وغیرہ وغیرہ اعلیٰ حضرت نے وہابیہ و غیر مقلدین کے رد میں سو سے زیادہ کتابیں تصنیف فرمائیں۔(۱۲) جب تفضیلیوں نے شور وغل مچایا اور جمع ہو کر مناظرہ کے لئے بریلی شریف آئے اور مناظرہ چھڑا دریافت کرنے پر کہ آپ لوگ سوالات کریں گے یا میں سوال کروں اعلیٰ حضرت ہی کو ابتدا سوال کرنے کے لئے کہا پہلے ہی قسط سوالات کے دیکھتے ہی بدحواس و پریشان بریلی سے بھاگ کر آبرو بچائی جس کا مفصل حال فتح خیبر

تزک مرتضوی میں چھپ چکا ہے الغرض ان کے رد میں بھی سات کتابیں تصنیف فرمائیں
(۱۳) اسی طرح جب روافض ونواصب کے فتنوں نے سر اٹھایا یا اعلیٰ حضرت نے وہیں
سرکوبی فرمائی اور اس کے رد میں بھی کتابیں تصنیف فرمائیں جب ۱۳۱۱ھ ندوہ کا فتنہ کھڑا
ہوا جس نے سنیوں کے ساتھ تمام بدمذہبوں کے اپنے اندر سمیٹ لیا اس وقت بھی اعلیٰ
حضرت حمایت دین کے لئے کھڑے ہو گئے خداوند عالم جزائے خیر دے حضرت تاج
الفحول محبّ الرسول مولانا شاہ عبدالقادر صاحب قادری معینی عثمانی بدایونی قدس سرہ اور
حامی سنن ندوی شکن جناب غلام صدیق قاضی عبدالوحید صاحب رئیس پٹنہ لو دیکرہ مرحوم
مغفور کوکہ اول الذکر نے اپنے علم و اثر اور موخر الذکر نے اپنے مال و دولت سے اعلیٰ
حضرت کا ہاتھ بٹایا جس سے یہ فتنہ ۱۳۳۱ھ میں مدارس جا کر ختم ہو گیا۔

ندویاں کہتے ہیں کہ دوہی تو ہیں اسد احمد رضا محبّ رسول

(۱۵) اسی طرح مفسقہ (۱۶) متصوفہ باطلہ جس بدمذہب نے سر اٹھایا وہیں اعلیٰ حضرت
نے اپنی تصنیفات سے اس کا سر کچل کر رکھ دیا اس کے رد میں کتابیں تصنیف فرمائیں۔
مطبع اہل سنت و جماعت محلہ سوداگران بریلی میں چھپوا کر ہندوستان بھر کے اکابر مشائخ و
علماء و رؤسا کے پاس ٹکٹ چسپاں کرکے روانہ کر دیا **جزاہ اللہ عن الاسلام
والمسلمین خیر الجزاء** اخیر زمانہ یعنی ۳۸،۱۳۳۹ھ کہ (۱۷) فتنہ علی برادران اٹھا اور
نہایت زور شور سے اٹھا جن سے سب بدمذہبوں منافقوں مرتدوں کھلے بند کافروں سب
کو اپنے اندر سما لیا۔ **و کل الصید فی جوف الفراء** جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چند دنیا دار
دنیا طلب دنیا طلبی اور ہندوستان کے بادشاہ بننے کی طمع میں اٹھے لیکن عام مسلمانوں کا
رجحان اس طرف نہ دیکھ کر اس میں مذہبی رنگ خلافت کا بھرا اب عام مسلمان اس کی
طرف جھکے یہاں تک کہ پڑھے لکھے لوگ بھی اس دھوکے میں آ کر اس کے شکار ہوئے
بعض بعض علماء بھی مبتلا ہو گئے اس وقت حق پر قائم رہنے والی فقط ایک ذات مجدد مائۃ
حاضرہ کی تھی جو ایک آن کے لئے بھی اس دھوکے میں نہ آئی پھر دیوبندوں میں مولوی
اشرف علی تھانوی بھی اپنی جماعت سے علیحدہ ہو کر اعلیٰ حضرت کے ہم خیال ہوئے

مولوی اشرف علی صاحب نے ایک فتویٰ لکھ کر خود اسی زمانہ میں اخبار وطن لاہور میں چھپوا کر ہم نوائی کی لیکن اعلیٰ حضرت امام اہل سنت نے اشتہارات پر اشتہارات ان کی رد و طرد میں لکھا اور ان کے خلاف شرع باتوں کو منظر عام پر لا کر مسلمانوں کو اس فتنہ سے بچایا یہاں تک کہ اخیر میں رسالہ مبارکہ الحجۃ المؤتمنہ فی الآیۃ الممتحنہ لکھ کر شائع کر کے دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دکھایا اور آفتاب نیمروز اور ماہ نیم ماہ کی طرح حق کو واضح کر دیا یہاں تک کہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب لکھنوی نے ایک غیر مسلم کو اپنا امام و پیشوا بنا لیا تھا جس کے بارے میں صاف لکھا کہ ان کو اپنا رہنما بنا لیا ہے جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں میرا حال سردست اس شعر کے موافق ہے ۔

عمرے کہ بآیات و احادیث گزشت ۔۔۔ رفتی و نثار بت پرستے کر دی

الحمدللہ کہ انہوں نے توبہ کیا اور اپنے اقوال سے رجوع کیا جس سے ان لوگوں کی قوت و شوکت علمی بالکل جاتی رہی البتہ دنیا کے لالچ میں بہت سے مسلمان اس سے لپٹے رہے مگر حق واضح ہو کر رہا یہ سب اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی مجدد ماتہ حاضرہ ہونے کا بین ثبوت ہے جنہوں نے پوری عمر بلکہ تن من دھن مال دولت سب حمایت دین متین میں صرف کر دیا اگرچہ بعض مخالفین اصل حقیقت تک نہ پہنچنے کی وجہ سے یہ اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب عمر بھر سب کا رد کرتے رہے جس سے ان کی مقبولیت کو بڑا صدمہ پہنچا ورنہ وہ جس قابلیت اور جامعیت کے عالم تھے سارا زمانہ ان کی قدم بوسی کرتا اور پیشوا مانتا یہ اسی خیال کے لگ بھگ ہے جو مشرکین عرب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کہتے تھے کہ اگر آپ ہمارے بتوں کو برا نہ کہیں تو ہم سب لوگ اپنا سردار آپ کو ماننے کو تیار ہیں اور ہر ایک شخص اپنی دولت سے ایک حصہ آپ کی نذر کر دے گا جس کی وجہ سے سب سے زیادہ مالدار آپ ہو جائیں گے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اصلا التفات نہ فرمایا بلکہ ان کو ٹھکرا دیا اللہ تعالیٰ نے مجدد ماتہ حاضرہ کو حمایت دین و نکایت مفسدین کے لئے بنایا تھا نہ اس لئے کہ اس سے ذاتی فائدہ اٹھائیں بعض لوگ یہ کہتے ہیں اس قدر تحریر و تقریر رسائل و اشتہارات کا فائدہ

کیا ہوا یہ جان بوجھ کر ٹھیک نصف النہار کے وقت آفتاب عالمتاب کا انکار کرنا ہے
حدیث شریف میں ہے لان یھدی اللہ بک رجلا خیر امما طلعت علیه الشمس
البتہ اللہ تیری وجہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت کرے روئے زمین کی حکومت سے بہتر ہے
اور یہاں تو ہزاروں کیا لاکھوں اشخاص نے ان کی تقریرات وتحریرات سے فائدہ اٹھایا یا
گمراہ دیندار ہوئے مذبذب مستقیم ہوئے سنی صحیح العقیدہ راسخ الاعتقاد ہوئے کہ بدمذہب
کا جھونکا کجا آندھی بھی اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتی وہ ہشت دھات کی طرح اپنے عقیدوں
پر پختہ اور ثابت قدم ہیں نماز کی پنجوقتہ دعا اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین
انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولاالضالین بالکل مقبول ہوئی ہر شخص جادہ
مستقیم پر قائم اور ہر قسم کی بدمذہبی اور بدمذہبوں سے علیحدہ ہے اور دعا قنوت میں روزانہ
خداوندعزوجل کے سامنے جو کہتے ہیں ونخلع ونترک من یفجرک اس میں پورے
اترے والحمد للہ علی ذالک انبیاء کرام جو خاص تبلیغ اور ارشاد خلائق کے لئے
مبعوث ہی ہوتے جن کو ارشاد ہوتا ہے بلغ ما انزل الیک ان کے متعلق بھی یہ کام نہیں کیا
گیا ہے کہ جو احکام الہٰی آپ ان تک پہنچائیں ان کو ان کا مصدق بنا دیں عامل کر دیں
بلکہ صاف فرما دیا گیا انما علی رسولنا البلاغ المبین سورۂ مائدہ وما علی الرسول
الا البلاغ المبین سورۂ نور وعنکبوت ونحل خود انہوں نے بھی کھول کر فرما دیا وما علینا
الا البلاغ المبین سورۂ یاسین آخر نہیں دیکھتے کہ سیدنا نوح علیہ السلام کی اتنی طویل
مدت تبلیغ فلبث فیھم الف سنه الا خمسین عاما ساڑھے نو برس کی تبلیغ وہدایت کا
نتیجہ خود فرماتے ہیں رب انی دعوت قومی لیلاً و نھارا فلم یزدھم دعائی الافرار
میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات دن حق کی طرف بلایا لیکن میری اس دعوت سے
ان کا فرار اور زیادہ ہوا یہاں تک کہ تنگ آ کر بارگاہ الہٰی میں التجا کرنی پڑی رب لا تذر
علی الارض من الکافرین دیارا خداوندا روئے زمین پر کسی کافر کا ایک گھر بھی باقی نہ
چھوڑ چنانچہ دعا قبول ہوئی آسمان سے پانی برسا زمین سے پانی ابلا کشتی پر جو گنتی کے چند
نفوس مسلمان تھے ان کے سوا کوئی بھی نہ بچا اعوذ باللہ من غضب اللہ ورسوله سیدنا

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق حدیث شریف میں ہے کہ جب انہیں اور ان
کے بھائی سیدنا ہارون علیہما السلام کو حکم ہوا اذھبا الی فرعون انہ طغی تم دونوں فرعون
کے پاس جاؤ اس کو ہدایت کرو کہ اس نے سرکشی کی یہ دونوں حکم الٰہی کی تعمیل میں چلے تو
وحی ہوئی مگر اے موسیٰ وہ ایمان نہ لائے گا انہوں نے عرض کیا کہ خداوندا پھر ہمارے
جانے اور حیران ہونے کا کیا فائدہ ارشاد ہوا تمہیں تبلیغ کا اجر ملے اور اس پر حجت الٰہی
قائم ہو قیامت کے دن یہ تو نہ کہہ سکے ماجاء نامن بشیر ولا نذیر ہمارے پاس کوئی
مبلغ خوشخبری دینے والا ڈر سنانے والا نہ آیا خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا ان
الذین کفرو اسوء علیہم ء انذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون بیشک جن کے
قسمت میں کفر ہے ان پر برابر ہے کہ انہیں آپ ڈر سنایئے یا نہ ڈر سنایئے وہ ایمان
لائیں گے نہیں اس جگہ بھی سواء علیہم فرمایا یعنی ڈر سنانا اور نہ سنانا ان کے لئے برابر
ہے یہ نہیں فرمایا سواء علیک انذرتھم ام لم تنذرھم یعنی ڈر سنانا اور نہ سنانا
تمہارے لئے برابر ہے اس لئے کہ حضور کو تبلیغ کا تو ثواب بہر حال ملے گا وہ بدبخت
مانیں یا نہ مانیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کا ذمہ ہلکا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا انک
لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط المستقیم بیشک آپ
ایصال الی المطلوب نہیں کر سکتے ہیں جس کو دوست رکھیں لیکن اللہ جس کو چاہے سیدھے
راستے تک پہنچا دے صدق اللہ ورسولہ پھر کسی عالم کے ذمہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ
مخالف کو گمراہی سے نکال کر سیدھے راہ پر کھڑا کر دے کہ وہ تو بہر حال انبیاء کے نائب
ہیں پھر اعلیٰ حضرت کے کارنامے کو دیکھتے ہیں تو بلاشبہ کہنا پڑتا ہے کہ سو میں سو نہیں تو اسی
نوے فیصدی کامیابی ہوئی بڑے سے بڑا مخالف ان کے مقابلہ میں ہمیشہ صامت و
ساکت رہا اکثر کو تو اقرار کرنا پڑا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب واقعی ٹھیک فرماتے ہیں
مگر مصلحت وقت کا تقاضا یہ ہے حالانکہ دین و ایمان کا تقاضا بلا خوف ولومۃ لائم حق گوئی
حق جوئے حق طلبی ہے ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء اللہ ذو الفضل العظیم اب رہی
یہ بات کہ آپ کے زمانہ کے علماء مشاہیر آپ کے علوم سے انتفاع دیکھ کر آپ کو مجدد

ماتہ حاضرہ مانا؟ تو یہ آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ اگر ان تمام حضرات کے نام ہی لکھے جائیں جنہوں نے آپ کو مجدد مانا تو اس کے لئے ایک دفتر درکار ہے مگر دفترے دیگر انشاء کنم اس لئے چند اشہر مشاہیر علماء اہل سنت کے نام نامی پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) حضرت قدوۃ الواصلین زبدۃ العارفین مولانا سید شاہ ابوالحسن احمد نوری میاں صاحب وارث سجادہ قادریہ برکاتیہ خانقاہ کلاں مارہرہ شریف (۲) حضرت زبدۃ السالکین مرجع الطالبین سیدنا شاہ ابو القاسم عرف شاہ جی میاں صاحب سجادہ نشیں خانقاہ صادقیہ برکاتیہ مارہرہ شریف (۳) حضرت عارف باللہ مقبول بارگاہ سید شاہ مہدی حسن میاں صاحب سجادہ نشیں خانقاہ برکاتیہ نوریہ سرکار مارہرہ شریف (۴) حضرت تاج الفحول محبّ الرسول مولانا شاہ عبدالقادر صاحب قادری برکاتی معینی سجادہ نشین خانقاہ قادریہ معینیہ بدایوں شریف (۵) حضرت مطیع الرسول مولانا شاہ عبدالمقتدر صاحب سجادہ نشیں خانقاہ معینیہ قادریہ بدایوں جنہوں نے ۱۳۱۸ھ جلسہ پٹنہ میں وعظ کہا اور اس میں حضور پرنور مد ظلہم الاقدس کو ان الفاظ سے یاد کیا جناب عالم اہل سنت مجدد المائۃ الحاضرہ مولانا احمد رضا خاں صاحب یہ وعظ جو یہ دربار حق و ہدایت میں طبع ہو گیا ہے (۶) واعظ خوش بیان شیریں زبان شہید فی نصرۃ الدین حضرت مولانا شاہ عبدالقیوم صاحب عثمانی قادری بدایونی۔ (۷) حضرت الاسد الاسد الارشد مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی پیلی بھیتی (۸) حامی سنت جناب مولانا مولوی حکیم خلیل الرحمٰن خان صاحب پیلی بھیتی (۹) حضرت سلطان الواعظین مولانا مولوی ابو الفضل شاہ عبدالاحد صاحب قادری پیلی بھیتی (۱۰) حضرت ضیاء الاسلام والحق والدین مولانا ابو المساکین محمد ضیاء الدین صاحب قادری ضیائی پیلی بھیتی (۱۱) حضرت مولانا سراج الدین ابو الذکاء شاہ محمد سلامت اللہ صاحب اعظمی رامپوری (۱۲) حضرت مولانا شاہ ظہور الحسن صاحب فاروقی رامپوری (۱۳) حضرت شیر بیشہ اہل سنت ابو الوقت مولانا شاہ ہدایت رسول صاحب نوری لکھنوی رامپوری (۱۴) حضرت عبدالسلام مولانا شاہ عبدالسلام صاحب قادری جبلپوری (۱۵) حضرت حامی دین وملت مولانا شاہ محمد بشیر صاحب قادری جبلپوری (۱۶) حضرت

مولانا برہان الحق شاہ محمد عبدالباقی صاحب قادری جبلپوری (۱۷) حضرت حامی سنت ماحی بدعت جناب حاجی منشی محمد لعل خان صاحب قادری مدراسی (۱۸) حضرت استاذ زمن ماحی فتن مولانا شاہ احمد حسن صاحب کانپوری (۱۹) حضرت استاذی مولانا شاہ عبیداللہ صاحب الہ آبادی کانپوری (۲۰) حضرت مولانا مولوی شاہ حبیب الرحمٰن صاحب کانپوری (۲۱) جناب حامی سنت ماحی بدعت مولانا شاہ مشتاق احمد صاحب امداد اللٰہی کانپوری (۲۲) جناب مولانا مولوی سرقاضی عبدالغفار صاحب بنگلوری (۲۳) عمدۃ الواعظین شبیہ غوث پاک حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی جیلانی سجادہ نشین کچھوچھا شریف (۲۴) جامع علوم عقلی ونقلی واعظ شیریں بیان مولانا سعید احمد اشرف صاحب کچھوچھا شریف (۲۵) عمدۃ المتکلمین حامی دین متین مولانا شاہ محمد فاخر صاحب بیخود الہ آبادی (۲۶) حضرت مولانا مولوی شاہ عمر الدین صاحب قادری ہزاروی (۲۷) جناب مستطاب ندوہ شکن ندوی فگن مولانا مولوی قاضی عبدالوحید صاحب رئیس عظیم آبادی جنہوں نے مجلس علماء اہل سنت پٹنہ منعقدہ ۱۳۱۸ھ میں پرزور قصیدہ پڑھا اور اس میں علماء کرام حاضرین جلسہ کی تعریف وتوصیف کی اسی میں اعلیٰ حضرت کے متعلق لکھا ۔

وعالم اہل سنت مصطفانا مجدد عصرہ الفرد الفرید

جس کو سیکڑوں علماء کرام نے سنا اور بخوشی قبول کیا اور کسی نے انکار نہ کیا تو گویا اس لقب پر اجماع علماء اہل سنت و جماعت ہوا اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت کے نام باہر سے جتنے خطوط آیا کرتے جن کی مجموعی تعداد سیکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں تک پہنچتی ہے ان سب میں نام نامی کے ساتھ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد ملۃ حاضرہ موید ملت طاہرہ یہ چار صفتیں ضرور ہوا کرتی ہیں اور یہ کچھ علماء اہل سنت ہندوستان ہی پر موقوف نہیں علماء حرمین شریفین و دیگر ممالک اسلامیہ نے حضور پر نور کو اسی لقب سے یاد فرمایا ہے تقریظات حسام الحرمین والدولتیہ المکیہ شریف واخبار البیان دمشق وغیرہ ملاحظہ ہوں حضرت غیظ المنافقین وفوز الموافقین حامی السنۃ و اہلہا ماحی البدعۃ وجہلہا زینۃ الزمان وحسنۃ الاوان مشد خطاب الکرم حافظ کتب الحرم العلامۃ الجلیل والفہامۃ النبیل

حضرت مولانا السید اسماعیل خلیل ادا مہما اللہ بالعز و التبجیل اپنی تقریظ حسام الحرمین میں فرماتے ہیں۔ واحمد اللہ تعالیٰ علی ان فیض ھذا العالم العامل الفاضل الکامل صاحب المناقب والمفاخر مظھر کم ترک الاول للاخر فریدالدھر وحید العصر مولانا شیخ احمد رضا خان صاحب سلمہ اللہ الرب المنان لابطال حججھم الداحضہ بالایات والاحادیث القاطعہ کیف لا وقد شھد لہ عالمومکۃ بذلک ولولم یکن بالمحل الارفع لما وقع منھم ذلک بل اقول لوقیل فی حقہ انہ مجدد ھذا القرن لکان حقا وصدقا۔

ولیس علی اللہ بمستنکر   یجمع العالم فی واحد

فجزاہ اللہ خیر الجزاء عن الدین واھلہ ومنحہ الفضل والرضوان بمنہ وکرمہ یعنی اور میں اللہ عزوجل کی حمد بجا لاتا ہوں کہ اس نے اس عالم باعمل کو مقرر فرمایا جو فاضل کامل ہے منقبتوں اور فخروں والا اس مثل کا مظہر کہ اگلے پچھلوں کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے یکتائے زمانہ اپنے وقت کا یگانہ مولانا احمد رضا خاں اللہ بڑے احسان والا پروردگار اسے سلامت رکھے ان کے بے ثبات حجتوں کو آیتوں اور قطعی حدیثوں سے باطل کرنے کے لئے اور وہ کیوں نہ ایسا ہو کہ علماء مکہ اس کے لئے ان فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں اور اگر وہ سب سے بلند مقام پر نہ ہوتا تو علماء مکہ اس کی نسبت گواہی نہ دیتے بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو البتہ حق و صحیح ہو۔

خدا سے تو اس کا اچنبھا نہ جان   کہ ایک شخص میں جمع ہو سب جہان

تو اللہ اسے دین و اہل دین کی طرف سے سب میں بہتر جزا عطا کردے اور اسے اپنے احسان اور اپنے کرم سے اپنا فضل اور اپنی رضا بخشے وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین.

منقبت

(فاضل بریلوی - رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

از: مولانا صوفی محمد خلیل صاحب کچھوچھوی (جین پور اعظم گڑھ)

پیشوائے اولیاء احمد رضا خاں قادری
مقتدا اے اصفیائے احمد رضا خاں قادری

حامی دین خدا احمد رضا خاں قادری
ماحی جور و جفا احمد رضا خاں قادری

آیت رب العلا احمد رضا خاں قادری
حجۃ خیر الوریٰ احمد رضا خاں قادری

عاشق غوث الوریٰ احمد رضا خاں قادری
جانشین مصطفیٰ احمد رضا خاں قادری

رہبر اہل شریعت ہادی اہل طریق
مشعل راہ خدا احمد رضا خاں قادری

زہد و تقویٰ میں کہیں ملتی نہیں تیری مثال
اے رئیس اتقیاء احمد رضا خاں قادری

تیری ذات پاک تھی مجموعہء فضل و کمال
تیرا رتبہ تھا بڑا احمد رضا خاں قادری

اہل سنت کی امامت کا ہے سہرا تیرے سر
مرحبا صد مرحبا احمد رضا خاں قادری

دین کی وہ خدمتیں کیں تیرے دست پاک نے
جس کا ڈنکا بج گیا احمد رضا خاں قادری

نجدیت بے دینیت کا سر کچل کر رکھ دیا
جب ترا خامہ اُٹھا احمد رضا خاں قادری

تو نے زندہ کر دیا واللہ دین پاک کو
تو محی الدین تھا احمد رضا خاں قادری

نور حب مصطفیٰ سے جگمگا اُٹھا تھا تو
اے مرے شمس الضحیٰ احمد رضا خاں قادری

تو سراپا معجزہ تھا سید کونین کا
اے خوشا رُتبہ تیرا احمد رضا خاں قادری

اہل باطل کانپتے تھے تیرے صولت سے شہا
تو تھا وہ شیر خدا احمد رضا خاں قادری

بزم سنیت بہت سنسان و سونی ہو گئی
پھر ذرا ڈنکا بجا احمد رضا خاں قادری

تو سراپا تھا رضائے حق رضائے مصطفیٰ
نام تھا سچا ترا احمد رضا خاں قادری

اہل رِدّت اہل بدعت اہل باطل کے لئے
سیف مسلولِ خدا احمد رضا خاں قادری

فتح ونصرت نے وہیں آ کر قدم چوما ترا
جب ترا جھنڈا اُٹھا احمد رضا خاں قادری

ہے ترا دنیائے سنیت پہ احسانِ عظیم
دے خدا تجھ کو جزا احمد رضا خاں قادری

اس خلیل قادری کی لاج رکھ لینا شہا
جبکہ ہو محشر بپا احمد رضا خاں قادری

سوانح حیاتِ اعلیٰ حضرت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(ادارہ)

ولادت با سعادت

امام اہل سنت مجدد دین و ملت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ روز شنبہ وقت ظہر مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء موافق ۱۱ جیٹھ سدی ۱۹۱۳ سمبت کو اس خاکدان عالم کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نواز آپ کا تاریخی نام "المختار" ہے خواہ اعلیٰ حضرت نے اپنی تاریخ ولادت حسب ذیل آیۃ کریمہ سے ۱۲۷۲ھ استخراج فرمائی ہے۔

آیۃ: اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ

خاندانی حالات

اعلیٰ حضرت کا اسم مبارک عبدالمصطفیٰ احمد رضا خاں ابن مولانا محمد نقی علی خاں ابن مولانا رضا علی خاں ابن مولانا حافظ محمد کاظم علی خاں بن مولانا حضرت شاہ محمد اعظم خاں بن حضرت محمد سعادت یار خاں بن حضرت مولانا سعید اللہ خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

اعلیٰ حضرت کے آباؤاجداد ملک قندھار کے معزز قبیلہ کے پٹھان تھے۔ شاہان مغلیہ کے عہد میں وہ لاہور آئے اور معزز عہدوں پر ممتاز ہوئے۔ پھر وہاں سے دہلی آئے۔ چنانچہ حضرت سعید اللہ خان صاحب شش ہزاری عہدہ پر فائز ہوئے اور شجاعت جنگ کا انہیں خطاب دیا گیا۔ ان کے صاحبزادے سلطنت کی طرف سے ایک مہم سر

کرنے کے لئے بریلی (روہیل کھنڈ) بھیجے گئے، فتحیابی پر ان کو بریلی کا صوبہ بنانے کے لئے فرمان شاہی آیا۔ موصوف کے تین صاحبزادے اعظم خاں، معظم خاں، مکرم خاں مناسب جلیلہ پر ممتاز تھے، ان میں سے اعظم خان صاحب بریلی تشریف فرما ہوئے شاہزادہ کا تکیہ جو محلہ معماران بریلی میں ہے آج انہیں کی نسبت سے مشہور ہے۔
موصوف کے صاحبزادے جناب حافظ محمد کاظم علی خان صاحب شہر بدایوں کے تحصیلدار تھے۔ سلطنت مغلیہ اور انگریزوں میں جو کچھ مناقشات تھے ان کے تصفیہ کے لئے کلکتہ تشریف لے گئے تھے حضرت حافظ کے صاحبزادہ زبدۃ الکاملین حضرت مولانا شاہ رضا علی خان صاحب رحمتہ اللہ علیہ تھے جن کی مختصر تاریخ تذکرہ علمائے ہند مصنفہ رحمان علی خاں مطبوعہ نول کشور لکھنو میں درج ہے چونکہ تذکرہ علمائے ہند زبان فارسی میں ہے اس لئے اردو میں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

''مولانا رضا علی خاں صاحب بریلی کے بزرگ ترین علمائے اکرام سے تھے، ان کے آباؤ اجداد، ملاطین دہلی کے دربار میں عالی مراتب پر فائز رہے۔ مولانا ۱۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے اور شہر ٹونک میں مولانا خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم مغفور سے علوم درسیہ حاصل کر کے ۲۳ سال کی عمر میں سند فراغت حاصل فرمائی بالخصوص تصوف میں کامل مہارت حاصل فرمائی۔ آپ کے فضائل و اوصاف شمار سے باہر ہیں۔ سبقت سلام، زہد و قناعت، علم و تواضع، تجرید و تفرید آپ کی خصوصیات سے تھے ۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۶ھ میں اس دارفانی سے رحلت فرمائی۔

حضرت کی کرامات

حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضرت مولانا رضا علی خان صاحب رحمتہ اللہ کے کمالات و کرامات بیان فرماتے ہوئے فرمایا۔

''حضرت کا گزر ایک روز کوچہ ستیارام کی طرف سے ہوا۔ ہولی کا زمانہ تھا ایک بازاری طوائف نے اپنے بالا خانہ سے حضرت پر رنگ چھوڑ دیا۔ ایک جوشیلے مسلمان نے دیکھتے ہی بالا خانہ پر جا کر کچھ سختی کرنی چاہی مگر حضرت نے اسے روکا اور فرمایا اس پر

کیوں سختی کرتے اس نے مجھ پر رنگ ڈالا ہے خدا اس کو رنگ دے گا۔

یہ فرمانا تھا کہ وہ طوائف بیتابانہ آ کر قدموں پر گر پڑی اور معافی مانگ کر مشرف بہ اسلام ہوئی۔ حضرت نے وہیں اس نوجوان کے ساتھ اس کا عقد کر دیا۔ اس قسم کے ان گنت و بے شمار واقعات و کرامات ہیں جن کی تفصیل کے لئے ''حیات اعلیٰ حضرت'' مرتبہ ملک العلماء حضرت مولانا محمد ظفر الدین صاحب بہاری ملاحظہ فرمایئے جس کی پہلی جلد زیر اہتمام مفتی ظفر علی صاحب نعمانی مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی سے شائع ہو چکی ہے۔

تعلیم و تدریس

اعلیٰ حضرت کے جد امجد نے ایک دن ایک خوشگوار خواب دیکھا جس کی تعبیر یہ تھی کہ یہ فرزند سعید فاضل و عارف ہو کر علماء عصر میں ممتاز ہو گا چنانچہ اعلیٰ حضرت نے چار سال کی عمر میں قرآن شریف ناظرہ ختم فرمایا اور چھ سال کی عمر میں ایک بہت بڑے مجمع میں میلاد شریف پڑھی۔ تمام علوم درسیہ معقول و منقول، اصول و فروع سب اپنے والد ماجد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل کر کے بتاریخ ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ سند فراغت حاصل فرمائی اور اسی دن رضاعت کا ایک مسئلہ لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش فرمایا جواب بالکل صحیح تھا، والد ماجد نے اسی دن سے فتویٰ نویسی کا کام اعلیٰ حضرت کے سپرد فرمایا۔

۱۲۹۴ھ میں آستانہ عالیہ سرکار مارہرہ مطہرہ میں حاضر ہو کر حضرت سید شاہ آل رسول رحمتہ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل فرمائی اور جمیع سلاسل کی خلافت و اجازت حاصل فرمایا نیز سند حدیث سے مشرف ہو کر ۱۲۹۵ھ میں والد ماجد کی ہمرکابی میں حرمین طیبین کی زیارت سے مستفیض ہوئے۔

ایک دن اعلیٰ حضرت نے نماز مغرب مقام ابراہیم میں ادا فرمائی اس کے بعد امام شافیہ حضرت حسین بن صالح نے بغیر کسی تعارف کے آپ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے دولت کدہ پر لے گئے اور دیر تک آپ کی پیشانی کو پکڑے رہے پھر فرمایا بے شک اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں اور صحاح ستہ اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دست مبارک سے

لکھ کر عنایت فرمائی اور فرمایا تمہارا نام ضیاء الدین احمد ہے اس سند کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں امام بخاری تک صرف گیارہ واسطے ہیں۔

واقعات طفولیت

(۱) تقریباً پانچ چھ سال کی عمر میں اعلیٰ حضرت صرف ایک بڑا کرتا پہنے ہوئے باہر تشریف لائے، اتفاق سے چند بازاری عورتیں سامنے سے گزریں۔ اعلیٰ حضرت نے فوراً کرتے کا اگلا دامن دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر چہرہ مبارک کو چھپا لیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر ان میں سے ایک بول اٹھی او صاحب منہ تو چھپا لیا اور ستر کھول دیا۔ آپ نے اس کو برجستہ جواب دیا، جب نظر بہکتی ہے تب دل بہکتا ہے جب دل بہکتا ہے تو ستر بہکتا ہے۔ یہ جواب سن کر وہ سکتہ کے عالم میں ہو گئی۔

ایک روز بچوں نے اپنے استاد سے سلام کیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا جیتے رہو۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے عرض کیا، یہ تو سلام کا جواب نہ ہوا۔ وعلیکم السلام کہنا چاہیے تھا مولوی صاحب سن کر بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔

اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جس سے اعلیٰ حضرت کے ذکاوت اور فراست کا اندازہ ہوتا ہے۔ رب کریم مسلمان کے ہر بچے کو حیات اعلیٰ حضرت دیکھنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ اس آئینہ میں اپنے مستقبل کو سنوار سکے۔ ضرورت ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تاریخ ہر مسلمان کے گھر میں پہنچائی جائے تاکہ آج کا مسلمان اپنے امام و پیشوا کی صحیح قدر و عظمت پہچان سکے۔

رام پور میں

اعلیٰ حضرت ایک مرتبہ ضرورت سے رام پور تشریف لے گئے وہاں جناب عبدالعلی صاحب علم ہیات کے مشہور فاضل تھے چند روز ان کی خدمت میں رہ کر شرح چغمنی کے اسباق لئے تھے۔

نواب رام پور کے اشتیاق پر دوسری بار رام پور تشریف لے گئے نواب کلب علی

خاں والی رام پور نے خاص اپنے پلنگ پر بیٹھنے کیلئے فرمایا اور آپس میں کچھ علمی باتیں ہوتی رہیں۔ اثناء گفتگو میں نواب صاحب نے یہ فرمایا کہ مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی مشہور منطقی ہیں، آپ ان سے منطق کی کتابیں پڑھ لیجئے، ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ شمس العلماء مولانا عبدالحق صاحب مرحوم خیر آبادی بھی تشریف لے آئے نواب صاحب نے اعلیٰ حضرت کا ان سے تعارف فرمایا و نیز اپنے مشورہ کا تذکرہ فرمایا۔

مولانا عبدالحق مرحوم کا یہ کہنا تھا کہ دنیا میں صرف ڈھائی عالم ہوئے ہیں۔ ایک مولانا بحر العلوم، دوسرے مولانا فضل حق خیر آبادی اور نصف بندہ (یعنی مولانا عبدالحق)

چنانچہ تعارف کے بعد مولانا عبدالحق نے اعلیٰ حضرت سے دریافت فرمایا ''منطق میں کون سی کتابیں پڑھی ہیں۔''

اعلیٰ حضرت نے فرمایا ''قاضی مبارک وغیرہ'' یہ سن کر دریافت فرمایا ''کیا شرح تہذیب پڑھ چکے ہیں؟''

یہ طعن آمیز سوال سن کر اعلیٰ حضرت نے فرمایا ''کیا جناب کے یہاں قاضی مبارک کے بعد شرح تہذیب پڑھائی جاتی ہے۔''

مولانا عبدالحق صاحب نے معقول جواب پا کر سوال کا رخ بدل دیا اور دریافت فرمایا ''اب آپ کا کیا مشغلہ ہے؟''

فرمایا ''تدریس، افتاء اور تصنیف''

اس کے بعد مولانا نے دریافت فرمایا کس فن میں تصنیف فرماتے ہیں؟''

اعلیٰ حضرت نے جواباً ارشاد فرمایا ''مسائل دینیہ و رد وہابیہ۔''

جواب کے آخری لفظ کی توقع مولانا عبدالحق صاحب کو نہ تھی جس کو اعلیٰ حضرت اپنی ذکاوت سے سمجھ گئے اور فرمایا ''آپ کے والد ماجد مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے رد وہابیہ فرمایا، مولوی اسماعیل دہلوی کو بھرے مجمع میں مناظرہ کر کے شکست دی اور ان کے رد میں ایک مستقل رسالہ بنام ''تحقیق الفتوی لسلب الطغوی'' تحریر فرمایا''

اعلیٰ حضرت نے علوم و معارف کے جو دریا بہائے ہیں اس کا اعتراف نہ صرف معتقدین و متوسلین کو ہے بلکہ حزب مخالف کے سرگروہ جو اعلیٰ حضرت کی مخالفت پر قلم اٹھاتے ہیں ان کی بھی تحریر کا یہ حرف آخر ہوتا ہے کہ کچھ بھی ہو مولانا احمد رضا خان صاحب قلم کے بادشاہ تھے جس مسئلہ پر قلم اٹھایا نہ تو موافق کو ضرورت افزائش اور نہ تو مخالف کو دم زدن کی گنجائش ہوتی تھی۔ اس موقع پر مناسب ہو گا کہ اعلیٰ حضرت کے دیوان کا ایک شعر ملاحظہ فرمایئے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہو

قوت حافظہ و حفظ قرآن شریف

اعلیٰ حضرت بسا اوقات ارشاد فرماتے کہ بعض ناواقف حضرات میرے نام کے ساتھ "حافظ" لکھ دیا کرتے تھے حالانکہ میں اس منصب کا اہل نہ تھا' یہ ضرور ہے کہ اگر کوئی حافظ صاحب کلام پاک کا ایک رکوع پڑھ کر ہمیں سنا دیں تو دوبارہ مجھ سے سن لیں۔ چنانچہ یہ طے پایا' اور عشاء کا یہ وضو فرمانے کے بعد جماعت سے پہلے یہ نشست شروع کر دی گئی اور تیسویں روز اعلیٰ حضرت نے تیسواں پارہ سنا دیا اور یہ فرمایا کہ بحمد اللہ ہم نے کلام پاک بالترتیب یاد کر لیا اور یہ اس لئے کہ ان بندگان خدا کا کہنا غلط نہ ہو۔

دوسرا واقعہ

اعلیٰ حضرت ایک مرتبہ پیلی بھیت تشریف لے گئے اور حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمتہ اللہ علیہ کے مہمان ہوئے' اثناء گفتگو میں "عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ" کا ذکر آیا۔ اتفاق سے یہ کتاب حضرت محدث سورتی کے کتب خانہ میں موجود تھی اور اعلیٰ حضرت کے کتب خانہ میں نہ تھی۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا میں نے نہیں دیکھی ہے جاتے وقت میرے ساتھ کر دیجئے گا۔

حضرت محدث سورتی نے بخوشی قبول فرمایا اور کتاب لا کر حاضر کر دی اور ساتھ ہی

ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ملاحظہ فرمانے کے بعد بھیج دیجئے گا۔ اعلیٰ حضرت کا قصد اسی دن واپسی کا تھا مگر اعلیٰ حضرت اپنے ایک جان نثار مرید کی دعوت پر رک گئے اور شب ہی کو اس ضخیم کتاب کو ملاحظہ فرمالیا۔ دوسرے دن روانگی سے قبل وہ کتاب حضرت محدث سورتی کو واپس کر دی گئی۔

حضرت محدث صاحب نے فرمایا کہ کیا میرا جملہ (ملاحظہ فرما کر واپس بھیج دیجئے گا) باعث ملال ہوا۔ جواباً اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ دیکھ لینا کافی ہوگیا۔ دو تین مہینہ تک تو جہاں کے عبارت کی ضرورت ہو گی لکھ لوں گا، مضمون عمر بھر کے لئے محفوظ ہو گیا (ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء)

ادبی لطیفے

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے جہاں دوسرے علمی کارنامے حدود و شمار سے باہر ہیں ایسے ہی ادبی لطیفے بھی جدت طرازی میں اپنی مثال ہیں۔

(۱) کسی آریہ نے اپنے مذہب کے متعلق ایک کتاب لکھی اور اس کا نام ''آریہ دھرم پرچار'' رکھا۔ کتاب چھپنے کے بعد مصنف نے ایک نسخہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھی ارسال کیا۔ حضرت نے اس کتاب کو ملاحظہ فرما کر جگہ جگہ حاشیہ پر اس کا رد لکھا اور اسی طرح جلی قلم سے ''پرچار'' کے بعد ''حرف'' بڑھا دیا، گویا اب اس کتاب کا نام ہو گیا 'آریہ دھرم' پر چار حرف۔

(۲) ایک رافضی نے اپنے مذہب کی حمایت میں ایک کتاب لکھی اور اس کا نام ''جناس الاجناس'' رکھا۔ اعلیٰ حضرت نے ملاحظہ فرمانے کے بعد ہلکی سی ترمیم فرما کر اس کتاب کا نام ''انجاس الخناس'' کر دیا۔

(۳) مولوی خرم علی نے ''نصیحۃ المسلمین'' نام کی ایک کتاب لکھی جس میں وہی باتیں ہیں جو تقویۃ الایمان میں ہیں۔ مطبع والے نے مصنف کا نام اسی طرح لکھا ''خرم علیٰ''۔ اعلیٰ حضرت نے ہلکی سی ترمیم فرما کر کتاب کا نام ''فضیحۃ المسلمین'' اور مصنف کا نام ''خرمعلیٰ'' کر دیا۔

اسی طرح سے اعلیٰ حضرت کے بہت سے ادبی لطائف مشہور ومعروف ہیں مثلاً مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' کو ''تفویۃ الایمان'' کر دیا۔ اور ایسے ہی مولوی اشرف علی تھانوی کی ''حفظ الایمان'' کو ''خبط الایمان'' کر دیا۔ ایسے ہی جمعہ کی اذان ثانی پر جب بعض علمائے اہل سنت نے اعتراض کیا تو مولانا عبدالغفار خاں صاحب رام پوری نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام ''حبل اللہ المتین لہدم آثار المبتدعین'' رکھا' اعلیٰ حضرت نے ترتیب بدل کر اس کتاب کا نام ''آثار المبتدعین لہدم حبل اللہ المتین'' رکھ دیا۔ ان واقعات کی تفصیل دیکھنی ہو تو ''حیات اعلیٰ حضرت'' ملاحظہ فرمائیے۔

اعلیٰ حضرت محدث سورتی کی نگاہ میں

حضرت محدث صاحب اور اعلیٰ حضرت کے تعلقات کو دیکھ کر خطیب اعظم حضرت محدث اعظم کچھوچھوی نے ایک بار حضرت محدث سورتی سے دریافت فرمایا کہ آپ کو شرف بیعت حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی سے حاصل ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آپ کا شوق جو اعلیٰ حضرت سے ہے اور کسی سے نہیں اس کی کیا وجہ ہے حضرت محدث صاحب نے یہ فرمایا کہ سب سے بڑی دولت وہ علم نہیں ہے جو میں نے بخاری سے پائی اور وہ بیعت نہیں ہے جو گنج مراد آباد میں نصیب ہوئی' بلکہ وہ ایمان جو مدار نجات ہے' میں نے صرف اعلیٰ حضرت سے پایا ہے اور میرے سینے میں پوری عظمت کے ساتھ مدینہ کا بسانے والا اعلیٰ حضرت ہی کی ذات گرامی ہے اس لئے ان کے تذکرے سے بالیدگی پیدا ہوتی ہے اور ان کے ایک ایک کلمے کو مشعل ہدایت جانتا ہوں۔

آج سے چند برس پہلے قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ کا سالانہ اجلاس تھا جس میں دیگر علماء کے علاوہ استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اور شیر بیشہ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خان صاحب بھی رونق پذیر تھے محبی مولانا عبدالستار صاحب صدر جمہوریت اسلامیہ کے دولت کدہ پر علماء کی دعوت تھی۔ اثناء گفتگو میں اعلیٰ حضرت کے فضل وکمال پر بات آئی۔ شیر بیشہ اہل سنت یا استاذ العلماء

میں سے کسی ایک نے یہ واقعہ بیان کیا کہ حضرت صدر الافاضل رحمتہ اللہ علیہ اکثر یہ فرماتے تھے کہ بہت سے لوگوں کو اعلیٰ حضرت کے دربار سے مختلف قسم کی دولتیں نصیب ہوئیں لیکن مجھے سب سے بڑی دولت ایمان کی اگر کہیں سے نصیب ہوئی تو اعلیٰ حضرت کے دربار گرامی ہے۔ اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ حضرت صدر الافضل کو فلسفے سے بہت گہرا تعلق تھا جس کی وجہ سے بہت سے بعض دینی مسائل میں شکوک وشبہات تھے اگر کسی نے ان شکوک وشبہات کا ازالہ فرمایا تو وہ تاجدار اہل سنت آفتاب شریعت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بلند ترین شخصیت ہے۔

استاذ محترم مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت اکثر اس بات پر افسوس فرمایا کرتے ہیں کہ یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں اعلیٰ حضرت کی زیارت سے محروم رہا۔ مگر میں نے اعلیٰ حضرت کو ان کی تصنیفات سے پہچانا ہے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت کے رسائل پر حضرت مجاہد ملت کی اتنی گہری نگاہ ہے کہ ایک مرتبہ بریلی شریف کی حاضری میں حضرت مفتی اعظم ہند نے کسی استفتا پر اپنا تحقیقی فتویٰ دکھلاتے ہوئے یہ فرمایا کہ میں نے اس فتوے میں انتہائی کاوش ذہنی سے کام لیا ہے۔ اور اپنی کاوش پر حضرت مفتی اعظم کو انتہائی مسرت بھی تھی۔ فتوے کو دیکھ کر استاذ محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ حضور! اعلیٰ حضرت کا جواب اس بارے میں میری نگاہ سے گزر چکا ہے۔ حضرت مفتی اعظم ہند نے انتہائی حیرت سے اپنی ہتھیلی کو پیشانی پر رکھتے ہوئے فرمایا میں تو اس بات پر خوش تھا کہ یہ میری تحقیقی فتویٰ ہے مگر تاجدار اہل سنت نے کسی شعبہ کو نہیں چھوڑا۔

بات بڑھ گئی کہنا یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے فضل وکمال کا احاطہ ہم جیسے تہی دامن و بے مایا لوگوں کا کام نہیں۔ آج جس قدر بھی اکابر علمائے اہل سنت ہیں ان کے قلم و زبان اعلیٰ حضرت کی مدحت وتعریف میں رطب اللسان ہیں اور رہتی دنیا تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تاجدار اہل سنت نے اپنی مختصری زندگی میں اپنی تصانیفات کا

ایسا گراں مایہ خزانہ چھوڑ دیا ہے جو ہمیشہ کے لئے آنے والی نسل کے لئے کافی ہے کاش اعلیٰ حضرت کے وہ رسائل جو غیر مطبوع ہیں ان کی طباعت کا مستقل انتظام کیا جاتا اور جو مطبوعہ رسائل نادر و نایاب ہیں دوبارہ ان کی طباعت کا اہتمام کیا جاتا۔

اخلاق کریمہ

اعلیٰ حضرت کی ذات گرامی (الحب للہ وبالغض للہ) کی مصداق تھی۔ آپ کسی سے محبت فرماتے تو اللہ کیلئے اور مخالفت فرماتے تو اللہ ہی کے لئے، کسی کو کچھ دیتے تو اللہ کے لئے اور منع فرماتے تو اللہ کے لئے۔

اعلیٰ حضرت کا ہمیشہ معمول تھا کہ تصنیف و تالیف، کتب بینی اور اوراد واشغال کے خیال سے خلوت میں تشریف رکھتے۔ پانچوں نمازوں کے وقت مسجد میں تشریف لاتے اور ہمیشہ نماز باجماعت ادا فرماتے۔

اعلیٰ حضرت وضو اور غسل میں بہت احتیاط فرماتے عموماً دو لوٹے پانی سے وضو فرماتے۔

اعلیٰ حضرت خطوط کے جوابات پر بہت اہتمام فرماتے۔ اگر استفتاء بہت اہم ہوتا تو خود اعلیٰ حضرت ہی تحریر فرماتے ورنہ حضرت صدر الشریعۃ یا حضرت ملک العلماء وغیرہ کے سپرد فرمادیتے۔ مدرسہ کے متعلق جو خطوط آتے وہ حضرت حجۃ الاسلام رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بھجوادیتے۔

وعظ و تقریر

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ وعظ و تقریر سے بہت احتراز فرماتے۔ ایک مرتبہ جامع مسجد سیتاپور میں ایک صاحب نے بغیر اجازت کے وعظ کا اعلان کر دیا۔ اعلیٰ حضرت کو یہ بات ناگوار خاطر گزری مگر جب مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مولانا لوگ رکے ہوئے ہیں کچھ بیان فرما دیجئے اعلیٰ حضرت نے قرآن پاک کی کسی آیت پر ایک مدلل تقریر فرمائی جس سے عوام و خواص دونوں متاثر ہوئے۔ اس قسم کے اور

بھی بعض واقعات پیش آئے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کی اجازت لئے بغیر اعلان کر دیا گیا اور لوگوں کے اصرار پر مسلسل کئی کئی گھنٹے تقریر فرمائی۔

۱۳۱۸ھ میں ندوہ کا جلسہ پٹنہ میں ہوا تھا۔ جس کے رد میں پٹنہ کے بعض رئیسوں نے ایک اجلاس طلب کیا جس میں دیگر علماء اہل سنت کے علاوہ اعلیٰ حضرت نے بھی شرکت فرمائی۔

حضرت سید اسماعیل حسن صاحب کا بیان ہے کہ میں اور مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی دونوں اپنی آرام گاہ پر آ چکے تھے اس درمیان میں یہ معلوم ہوا کہ آج کی نشست میں اعلیٰ حضرت کا بیان ہو گا تو مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی نے فرمایا کہ سنا ہے ندویوں کے سرغنہ بھی آئے ہوئے ہیں۔ چلو آج پٹھان کے وار دیکھنے کے قابل ہوں گے چنانچہ اعلیٰ حضرت نے ایسی مدلل اور جامع و معنی تقریر فرمائی کہ ندویوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔

اعلیٰ حضرت کا معمول تھا کہ سال میں تین وعظ فرمایا کرتے تھے ایک جلسہ دستار بندی کے سالانہ اجلاس میں اور دوسرا وعظ مجلس میلاد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں جو حضور کی طرف سے ہر سال ۱۲ ربیع الاول شریف کو صبح ۸ بجے منعقد ہوتی ہے اور شب کو بعد نماز عشاء حضرت مولانا حسن رضا خان صاحب کے یہاں محفل منعقد ہوتی ہے جو اعلیٰ حضرت کا آبائی مکان بھی ہے۔ شہر کے عمائدین و معززین مطبوعہ دعوت نامہ کے ذریعہ مدعو ہوتے اور تیسرا وعظ حضرت سید شاہ آل رسول صاحب مارہروی رحمتہ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر یہ محفل اعلیٰ حضرت ہی کے کاشانہ اقدس پر منعقد ہوتی۔ افسوس ہے کہ اعلیٰ حضرت کے مواعظ حسنہ قلم بند نہ ہو سکے۔

تبحر علمی

جناب عبدالرحیم خان صاحب قادری سلطانپوری کا بیان ہے کہ جس زمانے میں دہلی میں حضرت مولانا شاہ کرامت اللہ شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا۔ ایک دن اعلیٰ حضرت کا ذکر مبارک انہوں نے فرمایا کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کی وہ ہستی ہے کہ

علماء ہر باب میں ان کے محتاج ہیں، ان کے تبحر علمی کے یہ کمال ہیں کہ اگر وہ کوئی کتاب تصنیف فرمائیں اور چار منشی لکھنے کو بیٹھ جائیں تو وہ جس قدر وہ تصنیف فرمائیں گے کہ یہ چاروں حضرات نقل نہ کرسکیں گے۔

حضرت سید شاہ اسماعیل شاہ کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے مولانا عبدالمجید صاحب بدایونی کا شجرہ عربی درود شریف میں دکھلایا اور عرض کیا کہ ہمارا شجرہ بھی عربی درود شریف میں لکھ دیجئے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت نے اسی وقت نہایت خوشخط اور اعلیٰ درجہ کے مرصع و مسجع صیغے درود شریف شجرہ قادریہ برکاتیہ تحریر فرما دیا۔ موصوف ہی کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت کو علمی تفسیر کی طرف میں نے ہی متوجہ کیا تھا، تذکرہ کرتا کتابیں دکھاتا چنانچہ ایک بار کسی خاندانی کتاب ایک نیا وفق سپر مرتضوی میری نظر سے گزرا اور اسے مولانا کو بھی دکھایا اس کے قاعدے کی تشریح توضیح میں کچھ گفتگو رہی۔ مولانا نے وہ کتاب رکھ لی اور دو روز کے بعد ایک مفصل رسالہ اس وفق کے متعلق تحریر فرما کر مجھے دے دیا۔

ایک بار اعلیٰ حضرت مسلم الثبوت کا مطالعہ فرما رہے تھے کہ حضرت کے والد ماجد صاحب کا تحریر کیا ہوا اعتراض و جواب نظر سے گزرا۔ امام اہل سنت نے اس اعتراض کو دفع فرمایا اور متن کی ایسی تحقیق فرمائی کہ سرے اعتراض وارد ہی نہ تھا۔ جب پڑھنے کے واسطے حضرت والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت کی نظر امام اہل سنت کے حاشیہ پر پڑی اتنی مسرت ہوئی کہ اٹھ کر سینے سے لگا لیا اور فرمایا کہ احمد رضا تم مجھ سے پڑھتے نہیں ہو بلکہ مجھے پڑھاتے ہو۔

ایسے ہی اعلیٰ حضرت کے ابتدائی استاذ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب سے فرمایا کہ آپ کا شاگرد احمد رضا مجھ سے پڑھتا نہیں بلکہ مجھ کو پڑھاتا ہے۔

تاریخ گوئی

۱۲۸۶ھ میں اعلیٰ حضرت کی عمر شریف کا چودھواں سال تھا، ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ ایک صاحب نے امام باڑہ بنایا ہے، چاہتے ہیں کہ کوئی

تاریخی نام ہو اور دروازہ پر کتبہ کر دیں اعلیٰ حضرت نے مابعد فرمایا ان سے کہیے ''بدر رفض'' جواب سن کر انہوں نے عرض کیا کہ امام باڑہ گزشتہ سال ۱۲۸۶ھ ہی تیار ہو چکا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ دوسری تاریخ اعلیٰ حضرت نے فرمادیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ''داررفض'' پھر انہوں نے عرض کیا کہ اس کی ابتدا ۱۲۸۴ھ میں ہوئی تھی' اس لئے اسی سنہ کا ہونا مناسب ہے۔ ارشاد فرمایا ''دررفض'' رکھ لیجئے۔

نعت رسول مقبول ﷺ

لوگ کہتے ہیں تمنا موت کی اچھی نہیں
کیا کروں، ہجر نبیؐ میں زندگی اچھی نہیں

اَب تو ایسا پڑ گیا ہے دردِ مولا کا مزہ
دِل کی حالت ہو اگر اچھی بھلی، اچھی نہیں

روتے ہیں ہجر نبیؐ میں روتے روتے مر نہ جائیں
ہنسنے والو! رونے والوں سے ہنسی اچھی نہیں

جان دینا ہے خدا کو ، دل نبیؐ کو دے چکے
جانے والے جان سے دل بستگی اچھی نہیں

روضہ اچھا، زائر اچھے، اچھی راتیں ، اچھے دِن
سب کچھ اچھا، ایک رخصت کی گھڑی اچھی نہیں

لو! سُنادی داورِ محشر نے مجھ کو فردِ جرم
المدد یا سیّدی ! یا سیّدی ! یا سیّدی

کوئی روضے میں خبر کردو خدا کے واسطے
آج حالت حافظِ بیمار کی اچھی نہیں

کلام: حافظ پیلی بھیتی

کلام الامام امام الکلام

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم　　جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

سیدنا امام احمد رضا رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ عظیم البرکت، امام اہل سنت، مجدد دین و ملت، فاضل، اجل، عالم بے بدل شاہ محمد احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات ستودہ صفات ہندوستان، پاکستان اور عرب و عجم میں محتاج تعارف نہیں، ایسی جامع کمالات ہستی صدیوں میں ظہور پذیر ہوتی ہے، فقہ و حدیث، فلسفہ و منطق، ادب و تاریخ، تفسیر و کلام، بیان و بدیع، جملہ فنون ریاضیہ، فن شعر و عروض غرضیکہ کونسا علم ہے جس میں آپ کو مہارت تامہ حاصل نہیں، زبردست خطیب و مقرر صاحب کثیر التصانیف مصنف، بلند پایہ محقق، عربی و فارسی زبان و ادب کے زبردست اسکالر، اردو کے بہت بڑے محسن، غرض کہ ہندوستان میں ایسی باکمال ہستیاں کم ہوئی ہوں گی ہندی مسلمان اس مایہ ناز ہستی پر جتنا بھی فخر کریں درست ہے، کمالات ظاہری کو دیکھ جید علماء کی آنکھیں خیرہ اور حسن باطنی کو دیکھ کر اہل بصیرت حیران، علم و ہدایت کا سرچشمہ، جس سے ہزاروں علمائے دین و شریعت فیض یاب اور لاکھوں تشنہ کامان معرفت سیراب، زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف رضائے مولا، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، سونے جاگنے غرض کہ تمام جزئیات حیات میں پیروی سنت کا التزام، بات چیت میں، تحریر و تقریر میں، نثر و نظم میں خیال و تصور میں غرض ہر امر میں شریعت مطہرہ کا احترام یہ ہیں وہ اوصاف جنہیں ہر دیکھنے والی آنکھ اس مقدس ذات میں دیکھتی رہی۔

جس زمانہ میں اس ہادی شریعت اور ماحی بدعت کا ظہور ہوا وہ زمانہ ہندوستان میں

دین وملت کے لئے بہت نازک زمانہ تھا بہت پر آشوب وقت تھا۔ ہر طرف فتنہ وفساد، ہر سمت دین میں رخنہ اندازیاں کہیں دہریت ونیچریت کا زور، کہیں قادیانیت کا فتنہ، کہیں خدا کے منکر تو کہیں رسول کے منکر، رب العالمین نے کرم فرمایا اور رحمتہ اللعالمین کا ایک سچا غلام۔ سچا عاشق پیدا فرمادیا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مجھے ان اوراق میں سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدارج عالیہ کا خطبہ پڑھنا، یا ان کے کمالات صوری ومعنوی پر قصیدہ لکھنا مقصود نہیں ہے اور نہ یہ میرا منصب ہے، اس سے بڑے کام کو وہی لوگ انجام دے سکتے ہیں جو درحقیقت بڑے ہیں، مجھ جیسا کم لیاقت اور بے بضاعت انسان بھلا سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل ومحامد پر کیا قلم اٹھا سکتا ہے۔

مجھے آپ کے جس وصف نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ ان کا جذبہ عشق رسول اور ان کی جس تصنیف نے میرے قلب پر گہرے نقوش بنائے ہیں وہ ہے ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ حدائق بخشش، یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے اور اس کی تاریخ اشاعت ۱۳۲۵ ہجری ہے۔

حدائق بخشش، گلہائے نعت ومنقبت کا ایک ایسا حسین ودلکش گلدستہ ہے کہ جس کا جواب ہندو پاکستان میں نہیں بلکہ عرب وعجم میں مشکل سے نظر آئے گا۔ حدائق بخشش، خسرو اقلیم سخن، مداح رسول الثقلین، حسان العصر، شہنشاہ نعت گویاں یعنی عبدالمصطفی رضائے بلندی کے عشق بھرے دل ودماغ کی تخلیق ہے جس طرح آپ امام اہل سنت ہیں اسی طرح ان کا کلام بھی، کلام سخن کا امام ہے اور حدائق بخشش پر کلام الامام امام الکلام کا مقولہ حرف بحرف صادق آتا ہے کیونکہ دراصل یہ کلام شمع ہدایت ہے تمام مداحان رسول کے لئے۔

اُردو شعراء کے تذکروں اور تاریخ ادب اردو کی کتابوں میں رضا بریلوی کا نام

شعراء کی فہرست میں نہیں ملتا۔ یہ بالکل صحیح ہے تمام اہل علم و اہل قلم اعلیٰ حضرت کے مرتبہ سے واقف ہیں، ان کے دل و دماغ پر اعلیٰ حضرت کی بزرگی اور فضیلت کا سکہ بیٹھا ہوا ہے اور وہ سب بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ شعراء کی ذیل میں اعلیٰ حضرت کو شامل کرنا بے ادبی ہے اور ان کی اعلیٰ شان کے منافی ہے، کہیں اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خسرو اقلیم سخن فن شاعری سے نابلد ہے، رموز و نکات شعر سے ناواقف ہے۔ نہیں نہیں، رضؔا کو فن شعر پر پوری قدرت حاصل ہے، بلکہ ملک سخن کی شاہی رضا کے لئے مسلم ہے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم   جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

یہ شاعرانہ تعلّیٰ نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے، رضؔا نے قریب قریب تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی فرمائی ہے، غزل، قصیدہ، مثنوی و مستزاد قطعات و رباعیات غرض جس میدان کی طرف آ گئے ہیں سکے بٹھا دیئے ہیں، مضامین کی کثرت ہے، زور بیان بدرجہ اتم ہے، فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیئے ہیں۔ حمد و نعت، منقبت، سلام و درود، دعا و التجا حقیقت و معرفت، معجزات و کرامات، آیات قرآنی و احادیث نبوی کی شرح وغیرہ اس قدر مضامین کا تنوع ہے کہ حیرت ہوتی ہے تشبیہات و استعارات کی ندرت، صنائع بدائع کا حسن، قوافی کا زور تسلسل بیان، آمد، انتہائی جوش و جذبہ والہانہ عقیدت و ارادت، غرض کہ یہ سب چیزیں اعلیٰ حضرت کے کلام میں پائی جاتی ہیں اور اس کے علاوہ بہت سی ایسی چیزیں بھی ہیں اور چند ایسے امتیازی خصائص بھی ملتے ہیں جو دیگر شعراء کے کلام میں ڈھونڈھے سے نہیں ملتے۔

اعلیٰ حضرت پیشہ ور شاعر نہیں بلکہ نعت گو شاعر ہیں، ان کا میدان شاعری نعت سرور کائنات ہے، یہ میدان اس قدر وسیع ہے کہ اس کی وسعت و پہنائی کا اندازہ لگانا مشکل ہے، جس طرح میدان نعت گوئی وسیع ہے اسی طرح وقیع بھی ہے محبوب رب العالمین کی ثناء و صفت سے بڑھ کر اور کونسا کلام ہو سکتا ہے۔ خود خلاق دو عالم پہلا نعت گو ہے اور کلام اللہ حمد و نعت کی جامع کتاب ہے۔

از ابتدا تا آخر سارا کلام ربی   یا حمد کبریا ہے یا نعت مصطفیٰ ہے

اعلیٰ حضرت نے تمام زور شاعری نعت کے میدان میں صرف کیا ہے، دنیا کے کسی تاجدار کو تاجدار کہنا وہ اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ کبھی کسی امیر، بادشاہ حاکم وغیرہ کی مدح سرائی نہیں کی، مجازی حسن و عشق کی شاعری سے بھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ غرض کہ ان تمام لغویات سے ان کا دامن ہمیشہ پاک رہا، احکام شریعت ہمیشہ ملحوظ خاطر رہے۔ ہر بیجا و نا مناسب بات سے کلام کو محفوظ رکھا اور قرآن سے نعت گوئی کا درس لیا۔ خود ایک رباعی میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محفوظ　　بیجا سے ہے المنۃ اللہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی　　یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

میدان نعت اگرچہ بہت وسیع ہے لیکن سخت مشکل یہ بھی ہے۔ یہ راہ تلوار سے تیز اور بال سے باریک تر ہے، افراط و تفریط سے بچ کر، شریعت کی قیود میں رہ کر جذبہ دل کا اظہار کرنا بہت دشوار ہے۔ اعلیٰ حضرت نے حدود شریعت میں رہ کر جس جوش اور جس خلوص سے اپنے آقا کی عظمت و بزرگی کے خطبے پڑھے ہیں اور جس ولولہ اور کیف کے ساتھ اپنے مولیٰ کی ثنا کے لئے نغمے گائے وہ آپ اپنی مثال ہیں، درود پڑھئے اور سنئے اللھم صل وسلم وبارک علیہ۔

تشبیہات و استعارات

عام شعراء جنہیں نعت گوئی کا بھی شوق ہے اکثر و بیشتر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہ استعارے استعمال کر جاتے ہیں جو عموماً عشقیہ غزلوں میں معشوقان مجازی کے لئے مستعمل ہیں مثلاً دلبر، شوخ، قاتل، بت، ستمگر وغیرہ وغیرہ، اب اعلیٰ حضرت کا کلام ملاحظہ فرمایئے اور دیکھئے کہ آقائے دوجہاں اور محبوب کردگار کے کیسے پیارے پیارے احترام و محبت سے بھرے ہوئے، شیریں، لطیف اور نازک استعارے استعمال فرمائے ہیں۔

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے　　باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے
حرماں نصیب ہوں تجھے امید گہ کہوں　　جان مراد کان تمنا کہوں تجھے

اللہ رے تیرے جسم منور کی تابشیں　　اے جانجاں میں جان تجلا کہوں تجھے
اس مردہ دل کو مژدہ حیات ابد کا دوں　　تاب و توان جان مسیحا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری　　حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضاؔ نے ختم سخن اس پہ کر دیا　　خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے
کہہ لیگی سب کچھ انکے ثناخواں کی خامشی　　چپ ہورہا ہے کہہ کے میں کیا کیا کہوں تجھے

ہر موقع پر ایسے ہی الفاظ سے یاد کیا ہے جو شایان شان محبوب ہوں، جان مراد، کان تمنا جانجاں، جان تجلی جان رحمت تاب وتوان مسیحا، بیکس نواز گیسوؤں والا، مالک و مولیٰ، رؤف و رحیم وغیرہ کیسے پیارے الفاظ ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ غور کیجئے ہر شعر میں کوئی نہ کوئی لفظی یا معنوی صنعت موجود ہے، پہلے شعر میں مراعاۃ النظیر، دوسرے شعر میں امید و حرماں میں تضاد ہے، تیسرے شعر میں جسم و جان اور تابش وتجلا کی بلاغت پر غور کیجئے۔ چوتھے شعر میں مردہ دل اور حیات ابد اور پھر حیات اور مسیحا کی نسبت پر غور کیجئے اور پھر حضور اکرم کو مسیحا کی جان کی تاب وتواں کہنا کتنا لطیف اور پر کیف استعارہ ہے۔ پانچوں شعر میں وصف اور عیب میں صنعت تضاد ہے۔

صنائع بدائع

صنائع بدائع اگر شعر میں مناسب طور سے برمحل و برجستہ آ جائیں تو کلام کی زیب و زینت ہیں اگر تکلف کے ساتھ لائے جائیں تو مذاق صحیح پر گراں ہو جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے کلام میں بکثرت لفظی و معنوی صنعتیں آئی ہیں اور سب برمحل ہیں لف ونشر، حسن تعلیل ایہام، مقابلہ، تلمیح وتلمیع، سجع وترصیع، تنسیق الصفات، اشتقاق وغیرہ بکثرت صنائع و بدائع ہیں جو حسن کلام کا زیور بن کر معنوی حسن کو دوبالا کر رہے ہیں۔

صنعت تلمیع

یعنی کلام میں مختلف زبانوں کو جمع کر دینا، اعلیٰ حضرت کسی شاعرانہ خوبی، یا لفظی صنعت کے لئے شعر نہیں کہتے اور کوئی بھی بلند پایہ خوددار شاعر اس بات کو پسند نہیں کرتا۔

یوں کلام میں خود بخود برمحل کوئی محاورہ، ضرب المثل، روزمرہ یا صنعت آ جائے تو مضائقہ نہیں۔ لیکن بعض اوقات مذاق زمانہ یا فرمائش احباب سے مجبور ہو جانا پڑتا ہے۔ چنانچہ رضاؔ کے نعتیہ دیوان میں بھی ایک غزل کے تمام اشعار میں صنعت تلمیع اسی قسم کی مجبوری کی وجہ سے نظر آتی ہے۔ صرف تین شعر ملاحظہ ہوں، اس میں عربی فارسی، ہندی اور اردو چار زبانوں کو ہر شعر میں جمع کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

۱- لم یات نظیرک فی نظر — مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے — تجھ کو شہ دوسرا جانا

۲- البحر علا والموج طغے — من بیکس و طوفاں ہوشربا
مندھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا — موری نیا پار لگا جانا

مقطع میں فرماتے ہیں۔

بس خامہ خام نوائے رضیانہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

بڑی بڑی سنگلاخ زمینوں میں اور مشکل ردیف وقافیوں میں بھی نہایت عمدہ و پر کیف اشعار نکالے ہیں۔ معراج کا مضمون ہے، بندہ اللہ سے ملنے جاتا ہے گویا جلوۂ ظاہر لمعہ باطن میں گم ہونے جا رہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

معجزہ شق القمر و رجوع الشمس محاورہ و روزمرہ کا استعمال

بندہ ملنے کو قریب حضرت قادر گیا — لمعہ باطن میں گمنے جلوہ ظاہر ہو گیا
تیری مرضی پا گیا سورج پھرا الٹے قدم — تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجہ چر گیا
بندھ گئی تیری ہوا ساوہ میں خاک اڑنے لگی — بڑھ چلی تیری ضیا آتش پہ پانی پھر گیا

اس شعر میں اربعہ عناصر ہوا، خاک، آتش، پانی سب کو جمع فرما دیا اور ہوا بندھ جانا، خاک اڑنا، پانی پھرنا، محاورات کس خوبی سے نظم فرمائے ہیں اور ذرا بندھنا، اڑنا، چلنا، پھرنا پر بھی غور فرمائیے۔

حسرت وناکامی

آہ وہ آنکھ کہ ناکام تمناہی رہی
ہائے وہ دل جوترے در سے پرارمان گیا

دل ہے وہ دل جوتری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جوترے قدموں پہ قربان گیا

جان و دل ہوش وخرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضاسارا تو سامان گیا

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

تقابل

اس شعر کے دونوں مصرعوں میں ایک ایک لفظ ایسے تقابل سے ہے جوحضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے (۱) وہاں حسن یہاں نام (۲)وہاں کٹنا کہ عدم قصد پر دال ہے یہاں کٹانا کہ قصد وارادہ بتاتا ہے (۳)وہاں مصر یہاں عرب کہ زمانہ جاہلیت میں اس کی سرکشی وخودسری مشہورتھی (۴) وہاں انگشت یہاں سر (۵)وہاں زنان یہاں مردان (٦) وہاں کٹیں کہ ایک بار وقوع بتاتا ہے یہاں کٹاتے ہیں کہ استمرار پردلیل ہے۔

فصاحت و بلاغت

سرتابقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول

واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی نہ پھر چاہے دلہن پھول

حسن تعلیل

ہے کلام الٰہی میں شمس وضحیٰ ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم

قرآن نے نعت گوئی سکھائی

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم

(۱) شہر کی قسم رب تبارک و تعالیٰ کھاتا ہے اقسم بھذا البلد وانت حلّ بھذا البلد مجھے اس شہر مکہ کی قسم ہے اس لئے کہ اے محبوب تو اس شہر میں تشریف رما ہے (۲) یا رب ان ھولاء قوم لا یومنون یعنی مجھے رسول کے اس کہنے کی قسم ہے کہ اے میرے رب یہ لوگ ایمان نہیں لاتے (۳) لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون اے محبوب مجھے تیری جان عزیز کی قسم کہ یہ کافر اپنے نشے میں اندھے ہو رہے ہیں۔

سلامت

انکی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں — جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

اک دل ہمارا کیا ہے آزار اس کا کتنا — تم نے تو چلتے پھرتے مردے جلا دیئے ہیں

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو — جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں

مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جانے کا عزم

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو — کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

پوری غزل نہایت پر کیف اور ایمان افروز ہے طوالت کے خوف سے چھوڑتا ہوں۔

حسن و لطافت

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ واہ
قرض لیتی ہے گنہ پرہیز گاری واہ واہ
خامہ قدرت کا حسن دستکاری واہ واہ
کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی سنواری واہ واہ
اشک شب بھر انتظار عفوامت میں بہیں
ہیں فدا چاند اور یوں اختر شماری واہ واہ
انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

اس طرح روضہ کا نور، اس سمت منبر کی بہار
بیچ میں جنت کی پیاری پیاری کیاری واہ واہ

صنعت سجع و ترصیع اور جوش بیان

زور بیان، جوش عقیدت، اور لطف زبان اور مختلف صنائع بدائع مثلاً سجع، ترصیع، اشتقاق، تنسیق الصفات وغیرہ کے ساتھ ساتھ نعت کے مضامین کو کس روانی کے ساتھ بیان فرمایا ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

زمین و زماں تمہارے لئے مکین و مکاں تمہارے لئے
چنیں و چناں تمہارے لئے، بنے دو جہاں تمہارے لئے
فرشتے خدم رسول حشم تمامی امم غلام کرم
وجود و عدم حدوث و قدم جہاں میں عیاں تمہارے لئے
جناں میں چمن، چمن میں سمن، سمن میں پھبن پھبن میں دولہن
سزائے محن پہ ایسے منن یہ امن و اماں تمہارے لئے

اعلیٰ حضرت کے مخصوص رنگ کے چند قصائد

حدائق بخشش حصہ اول میں تین بڑے قصیدے ہیں جن میں اعلیٰ حضرت کا خاص رنگ پایا جاتا ہے، یہ قصائد جملہ خوبیوں کے حامل ہیں روانی و جوش، جذبہ وعقیدت، تسلسل کلام، تخیل و محاکات، تمثیلات واستعارات، روزمرہ ومحاورہ، صنائع لفظی ومعنوی غرض کہ تمام ادبی محاسن کے ساتھ ساتھ جذبہ عشق رسول، قرآن وحدیث کے مضامین اگر ملاحظہ کرنا ہوں تو پڑھئے "حاضری بارگاہ بہین جاہ" وصل اول رنگ علمی اور پھر دوسرا قصیدہ اسی بحر قوانی میں وصل دوم رنگ عشقی جس کا تاریخی عنوان ہے "حاضری درگاہ ابدی پناہ" ۱۳۲۴ ہجری ان دونوں قصیدوں کے بیشتر اشعار ایسے ہیں جن میں قرآن وحدیث اور تاریخ وسیرت نبوی کے متعلق مضامین کثیرہ کو ایک ایک شعر میں قلمبند کر دیا ہے گویا کوزہ میں دریا سمو دیا ہے، صرف چند اشعار بطور نمونہ پیش کرتا ہوں

پہلا قصیدہ رنگ علمی

شکر خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے — جس پر نثار جان فلاح وظفر کی ہے
من زار تربتی وجبت لہ شفاعتی — ان پر درود جن سے نوید ان بشر کی ہے

حدیث میں فرمایا ہے من زار تربتی وجبت له شفاعتی جو میرے مزار پاک کی زیارت کرے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔

کعبہ بھی ہے انہیں کی تجلی کا ایک ظل — روشن انہیں کے عکس سے پتلی حجر کی ہے
مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز — اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

دوسرا قصیدہ رنگ عشقی

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے — کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے
ہم جائیں اور قدم سے لپٹ کر حرم کہے — سونپا خدا کو یہ عظمت کس سفر کی ہے
ہاں ہاں وہ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ — اور پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم وسر کی ہے
اللہ اکبر اپنے قدم اور یہ خاک پاک — حسرت ملائکہ کو جہاں وضع سر کی ہے
عشاق روضہ سجدہ میں سوئے حرم جھکے — اللہ جانتا ہے کہ نیت کدھر کی ہے
طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند — سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے
مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے — سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

پورا قصیدہ عشق میں ڈوبا ہوا ہے' پڑھ کر وجد طاری ہو جاتا ہے اور ایک ایک شعران دونوں قصائد کا ایسا ہے کہ علماء اور واعظین کے لئے تقریر کا مستقل عنوان بن سکتا ہے۔ جس پر گھنٹوں تقریر کی جاسکتی ہے۔

معراج نظم

یہ معراجیہ قصیدہ بھی اپنا جواب نہیں رکھتا۔ پورے واقعہ معراج کو جس حسن و لطافت کے ساتھ بیان کیا ہے' پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ان اوراق میں بیان کرنے کی گنجائش نہیں' چند جستہ جستہ اشعار لکھے جاتے ہیں۔

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کیلئے تھے
وہاں فلک پر یہاں زمیں پر رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
ادھر سے انوار ہنستے آتے ادھر سے نغمات اٹھ رہے تھے
تجلی حق کا سہرا سر پر صلاۃ و تسلیم کی نچھاور
دورویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے
نماز اقصیٰ میں تھا یہی سرعیاں ہو معنی اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے
تھکے تھے روح الامیں کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی امید ٹوٹی نگاہ حسرت کے ولولے تھے
جھکا تھا مجرے کو عرش اعلیٰ گری تھی سجدہ میں بزم بالا
یہ آنکھیں قدموں سے مل رہا تھا وہ گرد قربان ہو رہے تھے
بڑھ اے محمد قریں ہو احمد قریب آ سرور ممجد
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے
تبارک اللہ شان تیری، تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے
خرد سے کہہ دو کہ سر جھکا لے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے
وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اسکی طرف گئے تھے

قصیدہ نور

یہ معلوم ہوتا ہے کہ نور کی زمین ہے نور کا آسمان ہے ہر طرف نور ہی نور ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالہ نور کا
نور دن دونا ترا دے ڈال صدقہ نور کا

تیرے ہی جانب ہے پانچوں وقت سجدہ نور کا
رخ ہے قبلہ نور کا ابرو ہے کعبہ نور کا

شمع دل مشکوٰۃ تن' سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کیلئے آیا ہے سورہ نور کا

جو گدا دیکھو لئے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

قصیدۂ سلام

بارگاہ رسالت پناہ میں ہزاروں لاکھوں سلام لکھے گئے' پڑھے گئے' لیکن اعلیٰ حضرت کے اس سلام کا جواب آج تک نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا' شہنشاہ سخن کی قادر الکلامی اگر دیکھنا ہو تو اس سلام کو پڑھیے اور انصاف کیجئے کہ یہ شاعرانہ تعلی نہیں بلکہ حقیقت تھی جو رضاؔ کی زبان سے نکل گئی تھی ۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

روانی اور جوش کا یہ عالم ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک دریا ہے جو امنڈا چلا آتا ہے۔ اگر صرف اس ایک سلام پر تبصرہ کیا جائے تو پورا مجلہ بھر جائے اور حق تبصرہ ادا نہ ہو۔ پیاری پیاری ترکیبیں' میٹھے میٹھے استعارے' سرکار کے اعلیٰ مدارج' معجزات' سرکار ابد قرار کے ہر ہر موئے تن پر سلام' حیات طیبہ کی ایک ایک آن اور ایک لمحہ پر سلام' سرکار کی ہر ادا پر سلام' سرکار کے اصحاب وعزت پر سلام' اہل بیت نبوت پر سلام' سیدہ طاہرہ ملکہ جنت پر سلام' حسن مجتبیٰ وشہید کربلا پر سلام' امہات المومنین پر سلام' جان نثاران بدر واحد پر درود عشرہ مبشرہ پر سلام' خلفائے راشدین پر سلام' تمام صحابہ کرام پر سلام' حضور غوثیت مآب کی بارگاہ میں سلام' غرض کہ ان کی ساری امت پر لاکھوں سلام' اس سلام میں تقریباً پونے ۲۰۰ سو اشعار ہیں اور ہر شعر ہر مصرعہ ہر ترکیب' ہر لفظ کہہ رہا ہے کہ "کلام الامام امام الکلام" چند اشعار لکھے جاتے ہیں ۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام　　شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہر یار ارم تاجدار حرم　　نو بہار شفاعت پہ لاکھوں سلام
شب اسرا کے دولھا پہ دائم درود　　نوشہ بزم جنت پہ لاکھوں سلام
ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد درود　　ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام

اس کے بعد حضور کے آل و اصحاب وغیرہ سب پر سلسلہ وار سلام کہتے ہیں اور پھر تمام اہل سنت پر اور اپنے استاذ، ماں باپ، بھائی بہن، اہل وعیال پر اور آخر میں فرماتے ہیں۔

ایک میرا ہی رحمت میں دعویٰ نہیں　　شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

درود

اعلیٰ حضرت کے سلام کی طرح آپ کا قصیدہ درود بھی لاجواب ہے۔ اس میں اپنے عجز و نیاز اور سرکار سے التجا و استمداد کا پہلو بہت نمایاں ہے یہ درود اعلیٰ حضرت کی جدت ہے اور تمام ظاہری و باطنی، صوری و معنوی اور داخلی و خارجی خوبیوں کا حامل ہے، چند شعر ملاحظہ ہوں ۔

کعبے کے بدر الدجیٰ تم پہ کروڑوں درود　　طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود
اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا　　جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود
دل کرد ٹھنڈا مرا وہ کف پا چاند سا　　نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروڑوں درود
آس ہے کوئی نہ پاس ایک تمہاری ہے آس　　بس ہے یہی آسرا تم پہ کروڑوں درود
خلق کے حاکم ہو تم رزق کے قاسم ہو تم　　تم سے ملا جو ملا تم پہ کروڑوں درود
آنکھ عطا کیجئے اس میں ضیا دیجئے　　جلوہ قریب آ گیا تم پہ کروڑوں درود
کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے　　ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

فارسی کلام

اعلیٰ حضرت کو فارسی پر پورا عبور حاصل ہے فارسی میں غزلیات، قصائد، رباعیات، قطعات، مستزاد و مثنوی سب لکھا ہے اور بہت خوب لکھا ہے، ایک مثنوی رد امثالیہ میں

لاجواب ہے۔ اکیسر اعظم یعنی قصیدہ در منقبت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بہت خوب ہے اس قصیدہ کے صرف دو شعر بطور نمونہ کلام پیش کرتا ہوں ۔

پیر پیراں، میر میراں یاشہ جیلاں توئی
انس جان قدسیاں و غوث انس و جاں توئی
سرتوئی سرور توئی سررا سرو ساماں توئی
جاں توئی جاناں توئی، جاں را قرار جاں توئی

امتیازی خصوصیات

میدان نعت و منقبت میں شہنشاہ نعت گویاں یعنی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا کوئی حریف مقابل نہیں، آپ کا پاکیزہ کلام دوسرے نعت گو شعراء کے لئے مشعل ہدایت ہے، آپ کی چند امتیازی خصوصیات ہیں جو دوسرے شعراء میں کم نظر آئیں گی۔

(۱) احترام شریعت الفاظ میں تخیل میں ہر جگہ ملحوظ رکھا ہے، اللہ کے محبوب کے لئے ایسے الفاظ اور ایسے استعارے استعمال ہیں جو انتہائی ادب و محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں، جس کی بیشتر مثالیں آ چکی ہیں۔ تمام کلام شروع سے آخر تک پڑھ جایئے لفظ 'یثرب' کہیں نہ پایئے گا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قدوم ناز سے تمام برائیوں اور بیماریوں کو دور کر کے یثرب کو طیبہ بنا دیا ہے۔

(۲) حفظ مراتب، خدا، رسول خدا، انبیاء، صحابہ، اولیاء، ان سب کے مراتب کا خیال رکھنا۔ اکثر شعراء جوش عقیدت میں اولیاء کو صحابہ کرام اور انبیاء پر فضیلت دے جاتے ہیں۔ یہ صحابہ کرام کے فضائل بیان کرنے میں دیگر انبیاء پر فضیلت دے دیتے ہیں یا نبی الانبیاء سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ دیگر انبیائے کرام سے اس طرح کرتے ہیں کہ ان کا احترام باقی نہیں رہتا۔ اعلیٰ حضرت کے کلام میں یہ بات ہرگز نہ پایئے گا۔

(۳) اکثر شعراء کعبہ عرش، حرم، مسجد، جنت، رضوان، اسلام وغیرہ کی حرمت پر ٹھیس لگاتے ہیں اور بت خانہ، میخانہ، کفر و زنار وغیرہ کی عظمت ثابت کرتے ہیں یہ بہت معیوب چیز ہے اس قسم کی لغویات سے اعلیٰ حضرت کا کلام بالکل پاک ہے۔

(۴) اعلیٰ حضرت کا کلام جھوٹ' مبالغہ اور ریا سے بالکل منزہ ہے۔ ہر جگہ خلوص صداقت' اور جذب دل کی ترجمانی ملے گی۔
(۵) عقائد اہل سنت کی تبلیغ اور اطاعت و محبت رسول کی تلقین اور عقائد باطلہ کی تردید بھی اعلیٰ حضرت کی خصوصیت ہے۔
(۶) سرکار غوثیت آب میں بے انتہا نیاز مندانہ عقیدت بھی آپ کی امتیازی شان ہے۔
(۷) فضائل نبوی کو دلائل سے ثابت کرنا سرکار رسالت کے مدارج عالیہ' حضور کے اقتدار اور علم وغیرہ کے ذکر میں جہاں انتہائی جوش و جذبہ کا اظہار کیا ہے وہاں اس خیال سے کہ کسی نافہم کو مبالغہ کا شبہ نہ ہو مضمون کو دلائل سے مبرہن کر دیا ہے مثلاً۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب   یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا   جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

(۸) اکثر ان شعراء کے یہاں جو فلک سخنوری کے آفتاب و ماہتاب کہلاتے ہیں' نعت و منقبت کے مضامین میں خلوص اور دلی جذبہ نہیں پایا جاتا۔ بلکہ تصنع' تکلف اور بناوٹ ہے۔ اعلیٰ حضرت کا کلام سرتا پا دلی جذبات کی نگارش ہے۔
(۹) اعلیٰ حضرت کے نعتیہ قصائد غیر ضروری اور نا مناسب تمہید اور تشبیب سے شروع نہیں ہوتے۔ جیسا کہ بہت سے فارسی وارد و بلند پایہ شعراء کا طریقہ ہے۔

مختصر یہ کہ اعلیٰ حضرت کا کلام ہر قسم کی تمام لغزشوں اور لغویتوں سے بالکل پاک ہے۔ آپ سچے عاشق رسول ہیں اور حکم مولا کے خلاف ہرگز نہ کوئی کام کرتے ہیں نہ بات کرتے ہیں۔ آپ کا کلام نعت صاحب لولاک کا انمول خزانہ ہے۔ قرآن و حدیث کی محبت بھری تفسیر ہے اور ہر صاحب ایمان مسلمان کو جان سے زیادہ عزیز ہے۔ میں اپنے مضمون کو اعلیٰ حضرت کی ایک رباعی پر ختم کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ   ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں   ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

اللھم صل وسلم وبارک علیہ

ضرورت مجدد

دنیا کی تمام قوموں میں مذہب ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے ہر قوم نے اپنے مذہب کی صداقت پر اس طرح یقین کیا ہے اور اس کے اصول کو اتنا عزیز رکھا ہے کہ اس کے خلاف آواز سن کر اور اس کے اصول مٹتے دیکھ کر تڑپ گئی ہے خصوصاً مسلمانوں کو مذہب اور بھی ہر چیز سے محبوب وعزیز تر رہا ہے۔ اصولاً ہونا بھی چاہیے کہ کیونکہ مسلم قوم کی تعمیر نسلی، خاندانی، ملکی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کی قومیت کا عنصر اور خمیر صرف مذہب ہے قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں۔

اسی لئے جب کبھی کسی بدباطن کے ہاتھوں مذہبی اصول مٹتے نظر آئے۔ سرفروشاں اسلام نے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا کر قوانین اسلام کو مٹنے سے بچالیا۔

دشت کربلا میں تڑپتے ہوئے لاشے، بہتے ہوئے خون، نیزوں پر بلند ہونے والے سر، اور ایک ایک ذرہ گواہی دے گا کہ گلشن اسلام کی سیرابی فرات کی تیز وتند موجوں سے نہیں۔ بلکہ نونہالان خاندان رسالت کے پاک لہو سے ہوئی ہے۔

یزید تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد کھیل کھیلا۔ اس کے شر کی قوتیں اس طرح ابھر آئیں کہ قمار بازی وشراب نوشی کی ترویج قوانین اسلام کی بے حرمتی، محارم سے شادی بیاہ اس کی زندگی کا مشغلہ بن گیا۔ ایسی صورت میں ضرورت تھی کہ شاہانہ شکوہ لے کر کوئی ایسا محافظ اسلام اور مجدد پیدا ہو جو باطل کی قہرمانی طاقت سے قطعاً خوف نہ کھائے اور تعلیمات اسلام کو غلط تراش خراش سے پاک کر کے صحیح طور پر دنیا کے سامنے پیش کر

دے۔

اس فریضہ کو ادا کرنے کے لئے وہ ہستی بڑھی جو فقر کی جلو میں شاہانہ کروفر رکھتی تھی، وہ ہستی جس کے گھر سے دنیا کو درس ہدایت ملا تھا، وہ ہستی تھی حضرت امام حسین علی جدہ وعلیہ السلام کی کہ آپ سے زیادہ کون روح اسلام سے واقف ہوسکتا تھا۔ آپ نے آگے بڑھ کر یزید کے ہاتھوں قوانین اسلام کو پامال ہونے سے بچا لیا اور اپنے خون سے حفاظت اسلام کا حق ادا کر دیا۔

شاہ ست حسین بادشاہ ست حسین   دیں ہست حسین دیں پناہ ست حسین
سر داد نہ داد دست در دست یزید   حقا کہ بناء لا الہ ست حسین

اس طرح مختلف دور میں اسلام کے چشمۂ صافی میں آمیزشیں ہوتی رہیں۔ کبھی یونانی منطق وفلسفہ کے اصول سے اسلام پر حملے ہوئے اور کوشش کی گئی کہ اصول اسلام کو غلط ثابت کر دیا جائے۔ خود علماء اسلام اس قدر مرعوب تھے کہ چاہتے تھے منطقی اصول تعلیمات اسلام منطبق کر دیا جائے۔ ایسے وقت میں حجۃ الاسلام امام غزالی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی شخصیت سامنے آئی اور منطقی اصول سے منطقی مباحث کی بخیہ ادھیڑ کر رکھ دی اور اسلام کے عقائد واساسیات کی ایسی تعبیر پیش کی کہ پھر وہی اسلام کا پاک اصول غلط آمیزش سے الگ ہو کر سامنے آ گیا۔ مگر آہ قوم کی غفلت شعاری ہے فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی۔

ہندوستان میں اگر چہ پہلی صدی ہجری میں شعاع اسلام پہنچ چکی تھی مگر ریگستان سندھ سے آگے نہ بڑھ سکی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ مجاہدین اسلام کے ذریعہ پورے ہندوستان میں اسلام کی روشنی پھیل گئی۔ اس ملک کی بدبختی کہیے کہ عرب فاتحین کے فیض سے تقریباً محروم رہا اور ان کے بدلے ترکوں مغلوں کی گویا غیر اسلامی حکومت سے سابقہ پڑا۔ وہ بھی ایسے وقت میں یعنی تیسری صدی ہجری کے بعد جب کہ خود مراکز اسلام میں انحطاط کا آغاز ہو چکا تھا۔ اور مسلمانوں میں بے عملی پیدا ہو چکی تھی ایسی شکل میں حجاز کا نکھرا ہوا اسلام کہاں تک اس ملک کے حصہ میں آ سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت جلد اسلامی

اساسیات میں ہندوانہ رسوم وعقائد داخل ہونے لگے۔ دسویں صدی ہجری میں جب اکبر کا دور آتا ہے تو یہ چیز اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔

ضلالت وگمراہی کی حد ہوگئی۔ دین اسلام کے اصول میں ترمیم کی گئی بادشاہ کو سجدہ کیا جانے لگا۔ حدود حلال وحرام رخصت ہوگئے۔ ہوائے نفس کے ہاتھوں قوانین اسلام کی بے حرمتی کا بازار گرم ہوگیا یہی حالات تھے جن میں مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے جو شریعت محمدی کے حمایت کے لئے اٹھے اور اس مجدد وقت نے ان فتنوں کے خلاف علم اصلاح بلند کرکے آخر کار نام نہاد اسلامی حکومت کو بالکل کفر کی گود میں چلے جانے سے روکا اور اس فتنہ عظیم کے سیلاب کے منہ کو پھیر دیا نیز بیعت و ارشاد کے ذریعہ تعلیمات اسلام میں پھر نکھار پیدا کردیا۔

اس کے بعد پھر زمانے نے ایک پلٹا کھایا اس مرتبہ وہابیت اپنے دارالسلطنت نجد سے ہندوستان میں جنم لے کر عقائد اسلام کی بیخ کنی کے درپے ہوگئی۔ اس عیاری سے روح اسلام سلب کرنے لگی کہ مسلمانوں کو احساس بھی نہ ہو اور اسلام کا ڈھانچہ بے روح ہوکررہ جائے۔

وہابیت کے مبلغ مولوی اسماعیل دہلوی نے اس کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ عقائد اسلام کی تنقید شروع کردی۔ خالص اسلامی حکومت عقیدے میں کفر وشرک کا فتوی لگا کر اس میں ترمیم کرنے لگے اور اس کے بجائے دوسرا خود ساختہ عقیدہ اسلام کے اندر ٹھونسنے کی کوشش کی۔

مثلاً قرآن تعلیم دیتا ہے۔ اغنھم اللہ ورسولہ من فضلہ ان کو اللہ اور اس کے رسول نے غنی کردیا اپنے فضل سے قرآن کہتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دولتمند کر دیا۔ مگر وہابیت اسے شرک بتارہی تھی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے ابری الاکمہ والابرص واحیی الموتی باذن اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں میں اچھا کرتا ہوں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور مردوں کو جلا دیتا ہوں اللہ کے حکم سے قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف تندرست کرنے کی نسبت کررہا ہے۔ مگر وہابیت شرک بتا

رہی تھی چنانچہ تقویۃ الایمان ص ۱۰ پر ہے۔

روزی کی کشائش اور تنگی کرنی اور تندرست اور بیجا کر دینا اقبال اوبار دینا حاجتیں برلانی بلائیں ٹالنی۔ مشکل میں دستگیری کرنی یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی انبیاء اولیاء بھوت پری کی یہ شان نہیں جو کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے اور اس سے مرادیں مانگے اور مصیبت کے وقت اس کو پکارے سو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ہے۔

مثلاً متعدد حدیثوں میں ارشاد ہے کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور میں نے مدینہ کو حرم کیا اس کے ببول کے درخت نہ کاٹے جائیں اور اس کا شکار نہ کیا جائے احادیث میں شکار نہ کرنا درخت نہ کاٹنا احترام ہی کی بنا پر ہے۔ مگر وہابیت اسے شرک بتا کر توہین کی تعلیم دے رہی تھی تقویۃ الایمان ص ۱۱ پر ہے۔ گرد وپیش کے جنگل کا ادب کرنا یعنی وہاں کا شکار نہ کرنا درخت نہ کاٹنا یہ کام اللہ نے اپنی عبادت کے لئے بتائے ہیں پھر جو کوئی کسی پیغمبر یا بھوت کے مکانوں کے گرد وپیش کے جنگل کا ادب کرے اس پر شرک ثابت ہے۔ خواہ یوں سمجھے کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہے یا یوں کہ اس کی تعظیم سے اللہ خوش ہوتا ہے ہر طرح شرک ہے۔

مثلاً حدیث تو یہ بتاتی ہے۔ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء اللہ نے اپنے انبیاء کے اجسام زمین پر کھانا حرام کر دیا ہے۔ للہ حی یرزق مگر وہابیت کے نزدیک حضور مر کر مٹی میں مل گئے جیسا کہ تقویۃ الایمان ص ۶۰ میں ہے۔

اسی طرح تمام اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زمان و مکان جہت سے پاک ہے بحرالرائق و درمختار و عالمگیری میں ہے اللہ تعالیٰ کے لئے جو مکان ثابت کرے کافر ہے۔ مگر وہابیت کے نزدیک یہ عقیدہ رکھنا ضلالت و گمراہی ہے چنانچہ ایضاح الحق ص ۳۵، ۳۶ میں ہے سریہ اوتعالیٰ از زمان و مکان و جہت و اثبات رویت بلاجہت و محاذات ہمہ از قبل بدعات حقیقیہ است اگر صاحب آن اعتقادات مذکورہ را از جنس

عقائدہ دینیہ می شمارد۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تعظیم وتوقیر جو دین کی بنیاد ہے۔

مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست دگر باونہ رسیدی تمام بولہبی ست دلوں سے نکالنا وہابیت کا اہم فریضہ تھا۔ ایسے وقت میں دین حنیف کی حفاظت کے لئے پھر ایک ایسے مجدد کی ضرورت تھی کہ حالات کا پورا نباض ہوتا کہ وہابیت کی دکھتی ہوئی رگ پکڑ کر دنیا کے سامنے رکھ دے اور لوگ دیکھ لیں کہ کتنا فساد پیدا ہو چکا ہے۔

بالآخر علم وفضل کا آفتاب نصف النہار اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مائتہ حاضرہ مولانا شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ شہر بریلی شریف میں دس شوال المکرم ۱۲۷۲ھ روز شنبہ بوقت ظہر جلوہ گر ہوا۔ حسن اتفاق کہ اس وقت آفتاب منزل غفر میں تھا جو اہل نجوم کے نزدیک بہت ہی مبارک ساعت ہے۔

تاریخی نام المختار ہے نیز اعلیٰ حضرت نے مکتوبات شریف اپنا سن ولادت اس آیہ کریمہ اولئک کتب فی قلوبھم الایمان ایدیھم بروح منه سے استخراج فرمایا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا ہے اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعہ ان کی مدد فرمائی۔ چنانچہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اولئک کتب فی قلوبھم الایمان کا کشف کرکے یہ عارف باللہ خود اعلان کرتا ہے کہ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لا الٰہ الا اللہ دوسرے پر لکھا ہوگا محمد رسول اللہ اور اگر آیت کے دوسرے حصہ کی ناظرین تصدیق چاہتے ہوں تو آپ کی پوری زندگی کا جائزہ لیں کہ ہر بدمذہب پر ہمیشہ فتح وظفر حاصل ہوئی پچاس سے زیادہ علوم وفنون میں تصنیفات کے ذریعہ جہاں تشنگان علم کو سیراب کیا وہیں افتا وارشاد کے ذریعہ ہر بدمذہب خصوصاً وہابیت کی دھجی بکھیر کر رکھ دی اور پھر ما انا علیہ واصحابی کہ صراط مستقیم وہابیت کی آلودگیوں سے پاک وصاف کرکے قوم مسلم کے سامنے پیش کر دی۔

آپ کی زندگی کی تفصیلی حالات وحمایت وحفاظت دین کے واقعات کے لئے ایک

دفتر کی ضرورت ہے لیکن آپ کی اس رباعی سے آپ کی زندگی کا اجمالی خاکہ سامنے آ جاتا ہے۔

نہ مرا نوش زتحسیں زمرا نیش زطعن
نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش زمے
منم و کنج خموی کہ نہ گنجد دروے
خبر من وچند کتاب و دوات قلمے

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

بخشا سکوں حضورؐ کے فیضانِ عام نے
دیکھا سحر کا نور زمانے کی شام نے
پیرایۂ حیات ہے سرمایۂ نجات
پیغام جو دیا ہے رسولِ انامؐ نے
یوں دیکھتے ہیں روضۂ اطہر کو اہلِ دل
گویا جنابِ سرورِ عالمؐ ہوں سامنے
شایانِ بارگاہِ پیمبرؐ نہ تھی فغاں
آنسو بنا دیا ہے اُسے احترام نے
تمہیدِ التفات بنی لغزشِ قدم
آیا جب اُن کا دستِ کرم مجھ کو تھامنے
محبوبِ کبریاؐ کی حیاتِ جمیل سے
پایا ہے افتخار بقائے دوام نے
سرکارؐ کی نگاہِ کرم ہے فقیرؔ پر
سرکارؐ کی ثناء جو لکھی ہے غلام نے

کلام: حافظ محمد افضل فقیر

حالات حضرت مولانا فضل رسول صاحب بدایونی

(رحمہ اللہ تعالیٰ)

ولادت

مولانا عبدالحمید صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پوتے کی ولادت کی مسرت افزا خبر سن کر سجدۂ شکر ادا فرمایا ملہم غیب نے مبارکباد دی کہ ''ظہور محمدی'' ہوا یہی آپ کا تاریخی نام ہے اور سیر الاولیاء حضور اچھے میاں صاحب مارہروی نے اس مرقع فضل وکمال کا نام ''فضل رسول'' رکھا اور معنوی طور سے اپنا فرزند قرار دیا۔ جس نونہال پر حضور اچھے میاں صاحب جیسے قطب وقت کی نظر شفقت ہو اور حضرت مولانا شاہ عین الحق صاحب جیسے باپ کی محبت آمیز نگاہیں پڑتی ہوں اس کی آئندہ ترقی مدارج خود بخود آئینہ ہوتی جاتی ہے۔

ابتدائی تعلیم

بزرگی کے آثار بچپن ہی میں غازۂ رخسار بنے تھے' چار برس کی عمر ہوتے ہی مکتب کی رسم ادا ہوئی مقدس دادا نے بسم اللہ کیا شروع کرائی کہ پوتے کی زبان کو خزانہ علوم کی کلید بنا دیا تاجدار ماہرہ کی باطنی توجہ اور بزرگ داداد کی ظاہری تربیت سونے پر سہاگہ کا کام کرگئی۔ ابتدائی تعلیم وتربیت مولانا شاہ عبدالحمید صاحب نے فرمائی''۔

تحصیل علوم کا ذوق

گیارہ برس تک مولانا کا آغوش محبت دامن گیر رہا۔ شفقت و پیار نے پیادہ پا قصد سفر پر آمادہ کیا۔ اس پر طرہ یہ کہ محض توکل پر بے سروسامانی کے ساتھ گھر سے چل دیئے بدایوں سے براہ داتا گنج شاہ جہاں پور ہو کر لوگ لکھنو جایا کرتے تھے۔ آپ بھی اسی راستے پر ہو لئے۔ مصائب سفر کو جھیلتے ہوئے چوتھے دن حوالی لکھنو میں پہنچے شب گزاری کے بعد صبح کو سلطان العلماء حضرت مولانا نور الحق صاحب کی درسگاہ میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ مولانا خود چشم براہ کسی کی آمد کے منتظر ہیں۔ جس وقت آپ پر نظر پڑی بکمال شفقت و محبت بڑھ کر سینے سے لگایا۔ پیشانی کو بوسہ دیا۔ اکابر علمائے فرنگی محل نے یہ سن کر حضرت مولانا عین الحق عبدالحمید صاحب بدایونی کے صاحبزادے بارہ برس کی عمر میں تحصیل علوم کے لئے تشریف لائے ہیں، جوق جوق آنا شروع کیا اور ہر طرف سے شفقت و پیار کی نظر آپ پر پڑنے لگی۔ چنانچہ تین برس فرنگی محل میں رہ کر شفیق استاد کی مخصوص عنایات کے باعث جملہ علوم معقول و منقول سے فراغت حاصل کیا۔ یہاں تک کہ جمادی الثانی ۲۸ ۱۲ھ کا مہینہ آیا۔ جس میں حضرت قطب الافاق مخدوم شاہ عبدالحق رودولوی رحمتہ اللہ علیہ کا عرس مبارک رودولی شریف میں ہوتا ہے استاد مطلق حضرت سلطان العلماء مولانا نور الحق رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پیارے شاگرد کو حکم دیا کہ رودولی شریف ہماری ہمرکابی میں چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ چنانچہ آستانہ پر حاضری کے بعد سلطان العلماء نے کھڑے ہو کر صاحب آستانہ سے استعانت و استمداد فرمائی اور مولانا فضل رسول کو پیش نظر بلا کر کھڑا کیا۔ اس کے بعد مولانا عبدالواسع صاحب مولانا عبدالواجد صاحب خیرآبادی مولانا ظہور اللہ صاحب فرنگی محل و دیگر اکابر مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آج یہ مجلس صرف اس لئے منعقد کی گئی ہے کہ آپ حضرات کے سامنے فضل رسول کا جملہ علوم و فنون میں امتحان ہو جائے۔ چنانچہ سلطان العلماء کے اصرار پر بعض علماء نے بعض مسائل پر گفتگو کی۔ جواب ملنے پر ہر طرف سے صدائے تحسین و آفریں بلند ہوئی اس کے بعد سلطان العلماء نے رسم دستار بندی ادا فرمائی۔

عبدالواسع صاحب لکھنوی

آپ علوم عقلیہ کے جید فاضل اور اپنے زمانے کے نامور اساتذہ میں شمار کئے
جاتے تھے۔ سیدن پور کے رہنے والے تھے مولانا بحر العلوم سے استفادہ علوم کے بعد
مشاہیر علماء کو علم کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ سلسلہ خاندان برکاتیہ میں حضرت سیدی شاہ
آل رسول صاحب قادری مارہروی نے بھی آپ سے استفادہ علمیہ فرمایا۔ مولانا
عبدالواجد صاحب خیر آبادی، آپ مولوی محمد اعلم صاحب فاروقی سندیلوی کے جو ملا حمد
اللہ سندیلوی کے ارشد تلامذہ میں ہیں۔ ہمشیر زادہ یعنی بھانجہ اور استاذ انام مولانا فضل امام
خیر آبادی کے استاد ہیں۔ یہ بھی اپنے زمانے میں فرد یکتا تھے۔ مولوی امام العالم خیر
آبادی جنہوں نے قصیدہ بردہ شریف کی شرح لکھی ہے آپ انہیں کی اولاد میں سے
تھے۔ مولانا ظہور صاحب لکھنوی، آپ مولوی محمد ولی ابن مفتی غلام مصطفیٰ کے فرزند اور ملا
محمد حسن لکھنوی کے بھتیجے ہیں۔ ۱۱۷۴ھ میں پیدا ہوئے نواب سعادت علی خاں والی لکھنو
کے عہد میں عہدۂ افتاء پر فائز ہوئے۔

مولانا فضل رسول حضرت سلطان العلماء کے ساتھ بر ودولی سے لکھنو واپس آئے
اور اساتذہ کی قدم بوسی کے بعد بدایوں روانہ ہو گئے اور شاداں وفرحاں بدایوں شریف
تشریف لائے۔ جد امجد کی قدم بوسی حاصل کی، تین سال کی محنت کا نتیجہ یعنی سند تکمیل
پیش کی مربیانہ شفقت کے ساتھ کمال مسرت کا اظہا فرمایا۔

حصول فن طب

لیکن جوش محبت کے ساتھ فن طب کی تحصیل کا بھی سوال ہوا۔ جس نے فوراً ہی
خرمن دل پر برق شرربار کا کام کیا اور بدایوں شریف میں چند روز قیام فرما کر ریاست
دھولپور روانہ ہو گئے۔ دھول پور پہنچ کر حکیم سید مہر علی خاں موہانی جو اس زمانے کے شہرۂ
آفاق طبیب تھے ان کے یہاں حاضر ہو کر کتب طب کا آغاز فرمایا۔ ایک دن تشخیص نبض
کی بحث آ گئی۔ بہت دیر تک حکیم صاحب سمجھاتے رہے مگر مولانا کی تسکین خاطر نہ
ہوئی۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ نبض کی تحقیق کے لئے ضرورت ہے کہ طبیب کی انگلیاں
کم از کم ستار کے پردوں کی شناخت رکھتی ہوں۔ حکیم صاحب کی زبان سے یہ فقرہ سنتے

ہی مولانا کتاب بند کر دی اور مطب سے اٹھ گئے، اسی وقت سے فن موسیقی کے کسی با کمال شخص کی جستجو کرنی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ دھول پور سے گوالیار آ گئے۔ راجہ کے ندیموں میں اس فن کا ایک ماہر تھا۔ اس سے فن موسیقی میں مہارت نامہ حاصل کی پھر دوبارہ گوالیار سے دھول پور واپس آئے اور دو سال کی محنت میں طبیب حاذق بن گئے۔ قدرت نے آپ کو وہ دماغ عطا فرمایا تھا کہ اگر ارسطو بھی ہوتا تو زانوئے ادب تہہ کرتا۔ بقراط وسقراط کے دماغ آپ کے ایک گوشے میں پڑے ہوئے نظر آتے۔

درس و تدریس

مولانا فضل رسول صاحب وطن آ کر اپنے آبائی قدیم مدرسہ کو جو اس وقت تک حضرت بحر العلوم مولانا محمد علی صاحب کے نام کی رعایت سے مدرسہ محمدیہ کہلاتا تھا۔ ترقی کا ایک خلعت جدید پہنایا مسند درس آراستہ کی اور سلسلہ درس و تدریس شروع فرمایا اور مدرسہ محمدیہ کو مدرسہ قادریہ کے نام سے موسوم فرما کر علمی گھرانوں کو گراں مایہ دولت سے سرفراز فرمایا آج وہی درس گاہ مدرسہ عالیہ قادریہ کے نام سے حضرت مفتی اعظم بدایوں مولانا عبدالقدیر صاحب ادام اللہ ظلہم و فیوضہم کے زیر سرپرستی و زیر اہتمام حضرت علامہ خواجہ نظام الدین صاحب بدایونی سرچشمہ علم ہو کر تشنگان علوم کو سیراب کر رہا ہے۔ ابھی آپ کا حلقہ درس ابتدائی حال میں تھا کہ آپ کی عالمگیر شہرت نے دنیائے علم میں دھوم مچا دی۔ طلباء کی کثرت سے شہر میں چہل پہل نظر آنے لگی مساجد طالب علموں سے معمور ہو گئیں اور کچھ دنوں کے بعد حرمین شریفین ابدی نعمتوں سے مالا مال ہونے کے لئے مدینہ منورہ کے علمی تاجدار علمائے عالم کے سرتاج حضرت مولانا شیخ عابد مدنی انصاری اور مکہ مکرمہ کے روشن چراغ امام الائمہ حضرت مولانا شیخ عبداللہ سراج مکی کی خدمت میں حصول برکت کے لئے حاضر ہوئے اور جدید اسانید حاصل فرما کر دوبارہ مسند درس پر مسند آراء ہوئے اب سے پہلے علوم ظاہری کا فیض جاری تھا اور اب باطنی کمالات کے سرچشمے امنڈ پڑے، گویا آپ کی ذات مجمع البحرین بن کر ظاہر و باطن کی نعمتوں کی قاسم بن گئی، یہی علمائے اہل سنت میں جنہوں نے سرزمین ہند پر علوم وفنون کی تخم پاشی کی۔

بدایوں، بریلی فرنگی محل، مارہرہ، کچھوچھہ شریف ہندوستان کے یہی وہ مقدس مقامات ہیں جہاں کی برگزیدہ شخصیتوں نے علوم وفنون سے لوگوں کو آشنا کیا اگرچہ آج بھی علم کے بہت سے نام نہاد اڈے بن گئے ہیں لیکن وہ اپنے محسنوں کی تعلیم کو بھول کر ایسی پگڈنڈی پر چل پڑے جس کی نظیر اسلاف میں نہیں ملتی۔ کہیں میلاد و نیاز مباحثہ ہے اور کہیں مسئلہ علم غیب اور ختم نبوت پر حجت و تکرار، عجیب حیرت ہے۔ فتنہ سہارنپور کی چہار دیواری سے اٹھایا جائے اور تاجدار اہل سنت مجدد دین ملت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کو مطعون و متہم کیا جائے اور بیبا کی دوریدہ دہنی سے یہ کہا جائے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے سرزمین ہند پر ایک آگ لگا دی۔ حالانکہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ رد وہابیہ کا سلسلہ تاجدار اہل سنت سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا فضل رسول بدایونی اور آپ کے ہم عصر دوسرے اکابر علماء نے وہابیت کی بیخ کنی اور نہ صرف زبانی بلکہ رد وہابیہ کے لئے قلم بھی اٹھایا جو بصورت کتاب اب تک موجود ہیں یہ اور بات ہے اس وقت فتنہ وہابیت کی ابتداء تھی اور اعلیٰ حضرت کے عہد زریں میں فتنہ وہابیت اپنے شباب پر تھا۔ اس لئے اس کی مدافعت بھی اسی انداز سے کی گئی اور اعلیٰ حضرت کی شان تجدید کا ایک نمایاں حصہ ہے۔ جو ان کے مجدد ماۃ حاضر ہونے پر روشن دلیل ہے۔ بات پر بات پیدا ہوئی، مناسب ہے کہ ہند کے آخری تاجدار محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی ابوظفر سراج الدین کے دربار شاہی کا وہ استفتاء یہاں پر پیش کر دیا جائے جو مختلف فیہ مسائل پر مولانا فضل رسول صاحب بدایونی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت گرامی میں بھیجا گیا تھا۔ چونکہ اصل استفتاء زبان فارسی میں بہت طویل ہے۔ اس لئے اردو میں اختصاراً اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

استفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متیں اس شخص کے متعلق جو یہ کہتا ہے کہ دن متعین کر کے محفل مولود شریف منعقد کرنا گناہ کبیرہ ہے اور محفل مولود شریف میں قیام کرنا شرک ہے اور فاتحہ کرنا طعام و شیرینی پر حرام ہے اور اولیاء اللہ سے مراد چاہنا شرک ہے اور حسب دستور قدیم ختم میں پانچ آیتوں کا پڑھنا بدعت سینہ ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا معجزہ حق نہیں ہے اور کہتا ہے تعزیہ کا بالقصد یا بلا قصد دیکھنا کفر ہے اور ہولی کا دیکھنا اور دسہرے میں سیر کرنا اگرچہ بلا ارادہ ہو تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی عورت پر طلاق ہو جائے گی اور کعبہ شریف و مدینہ منورہ کے خطہ میں کوئی بزرگی نہیں ہے اس وجہ سے کہ اس زمین میں ظلم ہوا ہے۔ اور سننے میں آیا ہے کہ وہاں کے باشندگان ظالم ہیں۔ مدینہ منورہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا۔ اور مکہ معظمہ میں عبداللہ ابن زبیر کو قتل کیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ سے باہر کیا پس ایسی صورت میں ان لوگوں کی اقتدار اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا یا مسلمانوں کو ان سے بیعت ہونا درست ہے یا نہیں اور شرع شریف کا ایسے لوگوں پر کیا حکم ہے و نیز ان کے متبلعین پر کیا حکم ہے؟ فقط

نقل مہر حضرت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی بادشاہ دین پناہ وفقہ اللہ لما یحبہ و یرضاہ۔

محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی

ابوظفر سراج الدین

الجواب

تاج الفحول حضرت مولانا فضل رسول علیہ الرحمہ نے تقریباً پندرہ صفحات میں جواب تحریر فرمایا ہے۔ اتنی گنجائش نہیں کہ اصل جواب نقل کیا جائے خلاصہ جواب یہ ہے کہ ان مسائل میں جو مسلک تاجدار اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب کا ہے بعینہ وہی مسلک تاج الفحول مولانا فضل رسول بدایونی کا ہے۔ جواز میلاد و جواز قیام و جواز استعانت جواز اولیاء اللہ و نیاز و فاتحہ شیرینی و معجزہ قدم رسالت کے حق ہونے پر متعدد دلائل پیش فرمائے ہیں۔ تفصیل کے لئے اکمل التاریخ جلد دوم صفحہ ۱۵۴ تا صفحہ ۱۶۹ ملاحظہ فرمایئے۔

مجھے اس موقع پر صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اعلیٰ حضرت پر یہ محض بہتان و افتراء ہے کہ رد وہابیہ اعلیٰ حضرت نے شروع فرمایا۔ اعلیٰ حضرت سے بہت دنوں پہلے یہ آگ ہندوستان میں لگ چکی تھی۔ یہ تو رب کریم کا ہزار ہزار رحم و کرم ہے کہ ''ہر فرعونے را موسیٰ'' کے مطابق اس طاغوتی طاقت کو خائب و خاسر کرنے کے لئے اعلیٰ حضرت جیسی برگزیدہ شخصیت کو ہند کا تاجدار بنایا۔ اس موقع پر مناسب ہوگا کہ ان علمائے اہل سنت کے نام نامی بھی تحریر کر دیئے جائیں جنہوں نے تاج الفحول مولانا فضل رسول رحمتہ اللہ علیہ کے فتویٰ پر تصدیقی دستخط ثبت فرمائے تھے۔

مولانا مفتی محمد صدرالدین صاحب صدر الصدور دہلی، مولانا سید محمد صاحب مدرس مدرسہ عربیہ دہلی، مولانا شاہ احمد سعید صاحب دہلوی، مولانا محمد مظہر صاحب۔ مولانا محمد عمر صاحب، مولانا محمد کریم اللہ صاحب، مولانا فرید الدین صاحب واعظ جامع مسجد، مولانا حکیم محمد احسن اللہ خاں صاحب، مولانا حکیم محمد امام الدین خان صاحب، مولانا قاضی احمد الدین صاحب، قاضی محمد علی صاحب، مولانا محمد عزیز الدین صاحب، مولانا تفضل حسین خاں صاحب، مولانا سید بشیر علی صاحب امروہوی، مولانا حیدر علی صاحب مصنف مفتی الکلام، مولانا داور بخش صاحب، مولانا حسن الزماں صاحب، مفتی محب اللہ صاحب۔

آپ ان دستخطوں سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ آج سے ایک صدی پیشتر جمہور علماء

ہند جوازمیلاد و قیام نذر و نیاز استمداد و وسیلہ کے قائل تھے چند ہی ایسے بدباطن تھے جو تعظیم رسول کے منکر اور ان کے عدم جواز کے قائل تھے۔

تذکرہ اساتذہ

سلطان العلماء حضرت مولانا نور الحق علیہ الرحمہ فرنگی محل کے حرم خانۂ علم کے سراج منیر ہیں آپ کا نورانی شجرہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ ملک العلماء مولانا قطب الدین شہید سہالوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ اور مولانا محمد سعید قدس سرہٗ کے پرپوتے ہیں۔ ۲۳ ربیع الاولی شریف شب یکشنبہ ۸۳ ۱۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ بسمل شاعر نے تاریخ وصال اس طرح موزوں کی ہے۔

پے تاریخ ترحیلش چوں بسمل
در معنی بہ کلک فکری سفت
سروش غیب ناگہ یا دل زار
بسوئے حق برفتہ نور حق گفت

۱۲۸۳ھ

تذکرۂ علمائے فرنگی محل

ملک العلماء مولانا قطب الدین شہید سہالوی

آپ علمائے فرنگی محل کے مورث اعلیٰ ہیں یہ عطائے الٰہی آپ کے خاندان کے ساتھ مخصوص ہے کہ آپ کی اولاد میں اس وقت تک نسلاً بعد نسلاً علم وفضل چلا آتا ہے اکثر علمائے ہند کا سلسلہ تلمذ آپ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے اجداد میں شیخ علاء الدین انصاری ہرات سے نواح دہلی میں آ کر سکونت پذیر ہوئے۔ وہاں سے ملا نظام الدین نے قصبہ سہالی میں آ کر اقامت کی' آپ نے ملا دانیال شاگرد مولانا عبدالسلام ساکن دیوا اور شیخ گھاسی شاگرد شیخ محب اللہ' الہ آبادی سے انتساب علم فرمایا۔ (حضرت شیخ گھاسی رحمتہ اللہ علیہ کا مزار پاک شہر الہ آباد محلہ اٹالہ میں ہے اور حضرت شیخ محب اللہ آلہ آبادی رحمتہ اللہ علیہ کا مزار پاک آلہ آباد محلہ کیٹ گنج میں ہے اور شیخ ہی کے آستانے میں ہندوستان کے مشہور شاعر اصغر گونڈوی مدفون ہیں)

آپ نے چار فرزند ملا اسعد' ملا محمد سعید' ملا محمد رضا' ملا محمد نظام الدین صاحب فضل و کمال کو اپنی یادگار چھوڑی جن کی اولاد اب تک وارث علم و دانش موجود ہیں۔ آپ کی شہادت ۱۹ رجب بروز دوشنبہ ۱۱۱۱ھ میں ہوئی سید غلام علی آزاد بلگرامی نے تاریخ وصال یہ فرمائی۔

قطب عالم شاہ شہید اکبر

ملا محمد سعید لکھنوی

آپ نے اپنے والد ماجد کی شہادت کے بعد ایک محضر تیار کیا اور دکن پہنچ کر حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ کے حضور بطور استغاثہ پیش کیا دربار

سلطانی سے فرمان معافی فرنگی محل عطا ہوا۔ بعد واپسی فرنگی محل پر دخیل ہو کر سب کو وہیں بلا کر رکھا۔ ملا شاہ احمد انوار الحق بن ملا احمد عبدالحق لکھنوی نے مولوی احمد حسین اور ملا احمد حسن سے پڑھ کر اور مولانا بحرالعلوم سے تکمیل کرنے کے بعد معقولات سے بالکل احتراز کرلیا تھا۔ ۶ شعبان ۱۲۳۶ھ روز سہ شنبہ آپ کا وصال ہوا' مصرعہ تاریخ یہ ہے۔

رحمت حق بروح انور بعد

ملا احمد عبدالحق لکھنوی

آپ نے تکمیل علوم اپنے عم مکرم ملا نظام الدین بن قطب الدین شہید سہالوی سے کی' آپ کی تصانیف سے شرح سلم و حواشی زواہد یادگار ہے۔ بحر علوم حضرت مولانا عبدالعلی لکھنوی آپ ملا نظام الدین کی آخری عمر کی یادگار ہیں۔ سترہ سال کی عمر میں والد ماجد سے جملہ علوم کی تکمیل فرمائی' چند وجوہ لکھنو سے جدا ہو کر حافظ الملک نواب رحمت خاں کی کمال قدردانی کے باعث شاہ جہانپور میں مدرس رہے۔ اس کے بعد فیض اللہ خاں والی رامپور آپ کو رامپور لے آئے یہاں سے قلت معاش کے باعث بہادر منشی صدر الدین کے یہاں سلسلہ درس جاری فرمایا یہاں جب کچھ ان بن ہو گئی تو نواب علی محمد خاں والی کرناٹک نے آپ کو نہایت عزت و تکریم سے مدراس بلا لیا اور بحرالعلوم کا خطاب دیا تمام عمر مولانا نے یہیں بسر فرمائی۔ تمام ہند میں کوئی اہل علم ایسا نہیں جو آپ کے فضائل علمیہ کا قائل نہ ہو۔

۱۲ رجب ۱۲۳۵ھ میں آپ کا وصال ہوا آپ کی مشہور تصانیف کثیرہ آپ کی یادگار ہیں۔

حلقہ درس

مولانا فضل رسول صاحب کے تلامذہ کا ذکر ایک مشکل اور دشوار کام ہے جس ذات گرامی نے سلسلہ درس کو سفر و حضر ہر حال میں جاری رکھا ہوا ہے اس کے تلامذہ کا شمار احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ بعض مشاہر علماء کا ذکر کیا جاتا ہے قاضی القضات جناب

مولانا و مفتی اسد اللہ خاں صاحب الہٰ آبادی و مفتی جناب عنایت رسول صاحب چڑیا کوٹی

مولانا محمد فاروق مرحوم جو آپ کے برادر خود اور ارشد تلامذہ سے تھے جن کے شاگرد

مولوی شبلی نعمانی اعظمی تھے جن کے انتقال کی خبر ۲۰ نومبر ۱۹۱۴ء اخبار ''زمیندار'' میں شائع

ہوئی ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء بروز چہار شنبہ بوقت صبح فوت ہو گئے

مولوی شبلی نعمانی یہ اگرچہ مولانا فضل رسول بدایونی کے تلامذہ میں سے تھے مگر ایک آزاد

خیال جدید روش پر صاحب تصانیف کثیرہ گزرے ہیں۔ مولوی خرم علی حضرت سے تکمیل

علوم کے بعد دہلی پہنچے' وہاں مولوی اسماعیل دہلوی اور مولوی اسحاق دہلوی سے متاثر ہو کر

تو ہب کا رنگ قبول کر لیا مولوی سخاوت علی جونپوری اور بھی بہت سے نامور علماء ہند کو

آپ کا شرف تلمذ حاصل رہا جن کی ایک طویل فہرست ہے۔

مشاغل طبیہ

جس طرح تاج الفحول مولانا فضل رسول صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو درس نظامی کی

کتب متداولہ پر عبور تھا اور اس فن میں شہرہ آفاق رہے اسی طرح طب میں بھی آپ نے

اپنا ریکارڈ قائم کر دیا تھا۔ چنانچہ معالجات ہی کے سلسلے میں آپ کو بنارس کا سفر اختیار کرنا

پڑا اور راجہ بنارس کی وہ مریضہ لڑکی جس کے علاج سے عام اطباء و ڈاکٹر عاجز تھے اس کو

حضرت ہی کے ہاتھ سے شفا حاصل ہوئی آپ کے دست شفا عجیب و غریب واقعات

آج بھی اہل بدایوں کی زبان پر ہیں۔

سفر حجاز

۱۲۵۵ھ میں سالہا سال کی ریاضت کے بعد عالم جذبہ بے خودی میں حج کا احرام

باندھ کر تہیہ سفر کر لیا دہلی سے روانہ ہو کر دارالخیر یعنی اجمیر میں حضرت سلطان الہند خواجہ

غریب نواز کی حضوری سے مشرف ہو کر احمد آباد گجرات ہوتے ہوئے سورت میں جلوہ

افروز ہوئے۔ باوجودیکہ راہ میں آستانوں پر قیام اولیاء کرام کی زیارت کا اہتمام ملحوظ نظر

تھا۔ پھر بھی چھ مہینے کا سفر صرف ستر ہ دن میں طے فرمایا۔ سورت سے بذریعہ بحری جہاز

سے سفر فرمایا اور جدہ سے مکہ مکرمہ تک پیادہ پا سفر فرمایا۔ ۱۲۷۸ھ میں سفر عراق کا قصد فرمایا اور جوش عقیدت کے ساتھ بغداد شریف میں حاضری دی، یہ سفر بھی اگر چہ پہلا سفر تھا لیکن دربار غوثیت سے جو عزت افزائی سرفرازی فرمائی گئی۔ یہ انہیں کا حصہ تھا۔ حضرت نے بغداد شریف میں عرصہ تک قیام فرمایا۔ حضرت نقیب صاحب نے بکمال کرم حضور پیران پیر کے باطنی اشارہ سے مثال خلافت، خاندانی عطا فرمائی اور اپنے فرزند اکبر سیدی سلیمان صاحب کو حکم دیا کہ آپ سے تلمذ و اجازت حاصل فرمائیں، اس زمانے میں حضرت مفتی اعظم بدایوں حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب بدایونی اسی خاندان کے روشن چراغ ہیں۔ جو ہر سال شہنشاہ بغداد کے آستانہ بوسی کے لئے حاضری دیتے ہیں۔ خداوند کریم موصوف کے ظل عاطفت کو دراز فرمائے۔ حضرت سیدی شاہ عین الحق رحمتہ اللہ علیہ نقاہت اور کبیر سنی کے چارپائی پر استراحت ترک فرما دی تھی۔ کفش برداروں نے عرض کیا کہ حضور ہم لوگوں سے دیکھا نہیں جاتا۔ جواب میں ارشاد فرمایا کہ مجھ کو شرم معلوم ہوتی ہے۔ برخوردار مولوی فضل رسول تو پیادہ پا ہزاروں مصائب جھیل کر حج میں سفر کریں اور میں چارپائی پر آرام کروں۔

تذکرہ وصال

حضرت کی عمر شریف کے چھہتر سال ختم ہونے کے بعد ستتر کی عمر میں ماہ مبارک ربیع الاول شریف ۱۲۸۹ھ میں دونوں شانوں کے درمیان پشت مبارک پر زخم نمودار ہوا۔ ایک دن قاضی شمس الاسلام صاحب عباسی جو آپ کے والد اقدس کے مریدوں میں تھے عیادت کے لئے حاضر تھے حضرت نے ارشاد فرمایا قاضی صاحب بمقتضائے (اما بنعمت ربک فحدث) آج آپ سے کہتا ہوں کہ دربار نبوت سے استیصال فرقہ وہابیہ کے لئے معمور کیا گیا۔ الحمد للہ کہ فرقہ باطل اسمعیلیہ واسحاقیہ کا رد پوری طور پر ہو چکا، دربار نبوت میں میری یہ سعی قبول ہو چکی، میرے دل میں اب کوئی آرزو باقی نہ رہی۔ میں اس دار فانی سے جانے والا ہوں، دوسری تاریخ ماہ مبارک جمادی الثانی پنجشنبہ کے دن اپنے صاجزادے شیخ الاسلام تاج الفحول حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب محب رسول کو

طلب فرما کر نماز جنازہ کی وصیت فرمائی اور عمر کے آخری وقت میں بلند آواز سے دو بار اللہ اللہ ارشاد فرمایا ادھر اسم ذات زبان سے برآمد ہوا ادھر روح مبارک خانہ تن سے برآمد ہو کر تشریف فرمائے خلد بریں ہوئی۔ ایک نور دہن مبارک سے چمکا اور بلند ہو کر غائب ہو گیا۔ سارے شہر میں تاریکی چھا گئی' آفتاب فن و کمال غروب ہوا بھیانک اور بدرونقی تمام گلی کوچوں میں عیاں ہونے لگی۔

(انا للہ و انا الیہ راجعون)

نعت رسول مقبول ﷺ

نہ کلیمؑ کا تصور نہ خیالِ طورِ سینا
میری، آرزو محمد ﷺ میری جستجو مدینہ

میں گدائے مصطفیٰ ﷺ ہوں میری عظمتیں نہ پوچھو
مجھے دیکھ کر جہنم کو بھی آ گیا پسینہ

مجھے دشمنو! نہ چھیڑو میرا ہے جہاں میں کوئی
میں ابھی پکار لوں گا نہیں دُور ہے مدینہ

میں مریض مصطفیٰ ﷺ ہوں مجھے چھیڑو نہ طبیبو!
مری زندگی جو چاہو مجھے لے چلو مدینہ

مرے ڈوبنے میں باقی نہ کوئی کسر رہی تھی
کہا "المدد محمد ﷺ" تو اُبھر گیا سفینہ

سوا اِس کے میرے دل میں کوئی آرزو نہیں ہے
مجھے موت بھی جو آئے تو ہو سامنے مدینہ

کبھی اے شکیل دِل سے نہ مٹے خیالِ احمدؐ
اِسی آرزو میں مرنا اِسی آرزو میں جینا

کلام: شکیل بدایونی

حالاتِ اشرفی

یہی نقشہ ہے یہی رنگ ہے ساماں ہے یہی
یہ جو صورت ہے تیری صورت جاناں ہے یہی

افتخار خاندانی

اعلیٰ حضرت قبلہ وکعبہ کا نام نامی اسم گرامی حاجی الحرمین سید علی حسین، کنیت ابومحمد، لقب خاندانی شاہ پیر، اور اعلیٰ حضرت خطاب سجادہ نشین سرکار کلاں اور تخلص اشرفیؔ تھا۔

حضرت موصوف کا خاندان بھی اشرفی کہلاتا ہے، چونکہ آپ سیدنا عبدالرزاق نور العین رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں اور حضرت نور العین قدس سرہ حضرت قطب عالم شہنشاہ بغداد محبوب سبحانی سید غوث الاعظم ابومحمد محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اولاد امجاد سے ہیں اور حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ کے ہمشیرزادے ہیں اسی لئے یہ خاندان والا شان حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہوکر اشرفی کہلاتا ہے۔

ولادت سراپا سعادت

اعلیٰ حضرت قبلہ وکعبہ کی ولادت سراپا سعادت ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ کو بروز دوشنبہ بوقت صبح صادق ہوئی جب سن شریف چار برس چار مہینے اور چار دن کا ہوا تو حسب معمول خاندانی۔

سلسلہ تعلیم

مولانا گل محمد صاحب خلیل آبادی نے جو اہل دل و عارف کامل تھے آپ کی بسم

اللہ کرائی اس کے بعد مولوی امانت علی صاحب کچھوچھوی نے فارسی کی درسی کتابیں پڑھائیں۔ پھر سلامت علی صاحب گورکھپوری اور مولوی قادر بخش صاحب کچھوچھوی سے تعلیم پائی۔

منصب خلافت

جب اعلیٰ حضرت قبلہ وکعبہ منصب خلافت وسجادہ نشین سے سرفراز ہوئے تو آپ کے استاد مولوی قلندر بخش صاحب نے آپ سے بیعت کی اور فرمایا کہ مجھ کو مدت سے اس دن کا انتظار تھا' خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ جس نے آج میری مراد پوری کی۔

اعلیٰ حضرت قبلہ وکعبہ نے ۱۲۸۲ھ میں اپنے برادر کلاں حاجی الحرمین سید شاہ ابومحمد اشرف حسین رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کر کے خلافت و اجازت خاندانی حاصل فرمائی تھی۔

۱۲۸۵ھ میں حضرت سید شاہ حمایت اشرف ابن سید شاہ نقی الدین اشرف بسکھاروی کی دختر نیک اختر سے اعلیٰ حضرت قبلہ وکعبہ کی شادی ہوئی۔

۱۲۹۰ھ میں حسب ارشاد و رواج بزرگان ایک سال کامل آستانہ اشرفیہ پر حسب قاعدہ مشائخ چلہ کشی فرمائی۔ اس مدت میں بہ برکت روحانی حضرت محبوب یزدانی مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ و بتوجہ حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی سید محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ تمام منازل ایقان وعرفان کو اس طرح طے فرمایا کہ آپ کی ذات بابرکات سے جہانگیری آثار و انوار ظاہر ہونے لگ۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ بہت مدت کے بعد اس خاندان میں ایسا شخص صاحب رشد و ہدایت تقدس پر نہار ظاہر ہوا ہے۔

فضائل وکرامات

آپ کے خوارق عادات جو اخلاقی صفات میں مضمر ہیں' کرامتوں کی طرح مشہور ہیں بلکہ کہا جاتا ہے کہ آپ کے انسانی کمالات نے آپ کو پیکر تسخیر بنا دیا تھا' اگرچہ آپ کے صفات و برکات غیر محدود و نا معدود ہیں لیکن بعض امور کا یہیں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) ہندوستان کی مایہ ناز درسگاہ دارالعلوم مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور آپ کی زندہ یادگار ہے، جہاں سے ہزاروں علماء فضلا فارغ التحصیل ہو کر ہندو بیرون ہند مسند تدریس وتصنیف پر فائز ہو کر دین متین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

(۲) آپ سے کبھی کوئی لغزش شرعی نہیں ہوئی۔

(۳) آپ نے کبھی کسی کے دل کو آزار نہیں پہنچایا۔

(۴) آپ نے کبھی کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں فرمایا جو کانوں کو مکروہ معلوم ہو۔

(۵) آپ نے کبھی کسی سائل کے سوال کو رد نہیں فرمایا۔

(۶) آپ نے اپنے دسترخوان کو ہمیشہ وسیع رکھا۔

(۷) اپنے مذہب ومشرب میں مشائخ کی تقلیدی حیثیت کو محبوب رکھا۔

(۸) ارباب حاجت کی حاجت کو رفع کرنا آپ کا حقیقی شعار تھا۔

(۹) اعراس مشائخ چشتیہ کی شرکت کو ہمیشہ مشاغل خاندان کی طرح عزیز ومحبوب رکھا۔

(۱۰) آپ نے راہ سلوک وتقلید مشائخ میں تشنیع خلائق کی کبھی پرواہ نہیں کی۔

(۱۱) بھائی بندوں کی محبت، مہمانوں کی عزت آپ کے خصائص تھے۔

یہی وہ محامد ومحاسن ہیں جن سے نہ صرف ہندوستان بلکہ دیگر ممالک میں بھی آپ کی تعریف وتوصیف میں اک زمانہ رطب اللسان نظر آتا ہے، چنانچہ ہم چند مقامات و ممالک کو تحریر کرتے ہیں۔

ہندوستان میں بنگال، مدارس، ممبئی، کاٹھیا دار، مارواڑ، دکن، اودھ، پنجاب، سندھ، بیرون ہند، عدن، جدہ، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، شام، حلب، مصر، عراق۔

سجادہ نشین

اعلیٰ حضرت قبلہ وکعبہ ۱۲۹۷ھ میں مسند سجادہ پر متمکن ہوئے اور ۱۸ محرم الحرام کو خرقہ خاندانی جو حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ کا عطیہ ہے زیب تن فرمایا۔ چنانچہ ہر سال اسی تاریخ کو خرقہ موصوفہ پہننے کی رسم سعید چلی آرہی ہے۔

علوم باطنی کی تحصیل

اعلیٰ حضرت قبلہ و کعبہ نے باطنی علوم کی تعلیم اپنے برادر بزرگ حاج الحرمین سید شاہ ابو محمد اشرف حسین علیہ الرحمہ سے (جن کو علاوہ خاندان اشرفیہ کے تمام مشائخ، ہمعصر سے فیض صوری و معنوی حاصل تھا) پائی تھی۔ یہ شغل وجودیہ اور بعض اذکار مخصوصہ کی تعلیم حضرت سید شاہ عماء الدین اشرف اشرفی عرف لکڑ شاہ کچھوچھوی قدس سرہٗ سے پائی حضرت لکڑ شاہ صاحب خاندان اشرفیہ میں مشاہیر مشائخ سے گزرے ہیں۔

اسی طرح دیگر اوراد وظائف کی اجازت اکثر علماء مشائخ ہند سے حاصل فرمائی۔ چنانچہ جناب حضرت راج شاہ صاحب سوندھوی (ضلع گوڑگانواں) سے اجازت و خلافت خاندان قادریہ و خاندان زاہدیہ حاصل فرمائی اور تعلیم سلطان الاذکار و شغل محمود اور دیگر اشغال مخصوصہ سے مشرف ہوئے۔ جناب حضرت مولانا شاہ محمد امیر کابلی قدس سرہٗ سے مقابلہ بلیا میں سلسلہ قادریہ منوریہ میں مجاز اور ماذوں ہوئے اور تعلیم طریقہ خاص ذکر خفی قلبی جو قلب مدور سے متعلق ہے حاصل فرمائی۔

اس سلسلہ کو سلسلۃ الذہب کہنا چاہیے جو عرفی طور سے چار واسطوں سے شہنشاہ بغداد محبوب سبحانی سید غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے یعنی حضرت سید شاہ ابو احمد علی حسین اشرفی قدس سرہٗ کو حضرت شاہ محمد امیر کابلی قدس سرہٗ سے حاصل ہوا اور ان کو حضرت ملا اخون فقیر رامپوری قدس سرہٗ سے اور ان کو سلطان المشائخ حضرت مولانا سید شاہ منور الہ آبادی قدس سرہٗ سے جن کی عمر ساڑھے پانچ سو برس کی ہوئی اور آج بھی حضرت موصوف کا مزار پر انوار الہ آباد میں مرجع خلائق ہے جس دربار سے ہزاروں تشنہ کام بامراد و فائز المرام ہو کر واپس ہوتے ہیں۔ ہم کسی آئندہ شمارہ میں حضرت موصوف کی سوانح حیات و فضائل و کرامات کو ہدیہ ناظرین کریں گے۔

اور حضرت موصوف کو شاہ دولا قدس سرہٗ اور ان کو محبوب سبحانی حضرت غوث الثقلین سید ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سے اسی طرح سلسلہ اویسیہ اشرفیہ کی تعلیم حضرت سید محمد حسین غازپوری علیہ الرحمتہ سے حاصل فرمائی اور سید محمد حسن علیہ

الرحمتہ کو حضرت شاہ باسط علی قدس سرہٗ سے اور ان کو شاہ عبدالعلیم قدس سرہٗ سے اور ان کو شاہ ابوالغوث گرم دیوان قدس سرہٗ سے اور ان کو حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ سے اور ان کو حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

کلام اشرفی

(شیخ المشائخ حضرت سید شاہ اشرفی میاں رضی اللہ عنہ)

چشم جاناں ہے شبیہہ چشم آہو ہو بہو
عنبریں ہیں کاکلیں سبز رنگ کے سو مو یمو

مست ہو گا ایک عالم مثل آہوئے ختن
اے صبا مت کر پریشاں بوئے گیسو سو بسو

عشق سروقد جاناں میں ہے یہ عاشق کا حال
کر رہا ہے فاختہ کے مثل کو کو کو بکو

قتل کا گر ہے ارادہ دیر کیوں کرتے ہیں آپ
دیکھئے موجود ہے یہ تیغ ابرو رو برو

اشرفی ' اللہ سمجھے ان بتوں کے ظلم سے
آنکھ دکھلاتے ہی نہیں کرتے ہیں جادو ' دوبدو

اے عارض تو شرح طوبیٰ لمن رانی
روئے تو ترجمان انوار لا مکانی
اے نور چشم حیدر آرام جان قادر
اے شمع بزم اشرف شاہنشہ زمانی

اے مصحف جمالت ایمان اہل بینش
وے آیئنہ تقایت تفسر من رانی
حسن ازل زرویت ہر لحظہ جلوہ افگن
آں معنی نہاں را تو صورت عیانی
اے من نثار رویت اے من غبار کویت
تو جان یک جہانی تو یک جہان جانی
نیرنگ در موایت صد جاں کند فدایت
او کمتریں گدایت تو خسرو جہانی

منقبت اشرفی میاں

کیا بیاں ہو مجھ سے عاصم عزوشانِ اشرفی
ڈھالتا ہے چاند تارے خاکدان اشرفی

حامیان بندگی ہیں حامیان اشرفی
کیوں نہ ہم ظرف حرم ہو آستان اشرفی

ہے مزین لا الہ سے گلستان اشرفی
پھول کی ہر پنکھڑی ہے ترجمانی اشرفی

آنکھ کیا ذرے پہ اٹھی بن گیا مہر جمیل
جلوہ گر یوں بھی ہوئے طلعت فشانِ اشرفی

جنبش انفاس میں سجدوں کی اک ترتیب ہے
دل کی دھڑکن میں بھی پاتا ہوں اذانِ اشرفی

رُک نہیں سکتا کبھی وحدانیت کی راہ میں
پا ہی لے گا اپنی منزل کاروانِ اشرفی

معرفت کی اک تجلی ہے بہ امعانِ نظر
کوئی پردہ ہی نہیں ہے درمیانِ اشرفی

سامعہ پر بن چکی ہے ایک تفسیر رموز
ہے حدیث نحن و اقرب داستان اشرفی

مہر ہیں مختار تو مہتاب ہیں عبد الغفور
جگمگاتا ہی رہے گا آسمان اشرفی

بے خودی سے ہوش میں ہو عاصم عمر بھر
ایک ایسا جام دے پیر مغانِ اشرفی

از: عاصم اشرفی صدر بزم اُردو ممبئی

حضرت حجۃ الاسلام (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

آپ کی اہم خصوصیت آپ کا حسن و جمال ظاہری تھا۔ جس مجلس میں تشریف فرما ہوتے ہزاروں میں ایک ہوتے۔ ساتھ ہی آپ کا علمی تبحر اس درجہ کا تھا کہ ایک بار اجمیر شریف گئے۔ نثار احمد صاحب متولی تھے۔ مدرسہ معینیہ اجمیر کا معائنہ کرایا اور رجسٹر معائنہ پیش کیا گیا۔ قلم برداشتہ سلیس عربی میں معائنہ تحریر فرمایا جس کو ترجمہ کے لئے اس وقت صدر مدرس (جو ایک دیوبندی تھے) کو دیا گیا۔ انہوں نے ترجمہ کے لئے وقت مانگا اور کہا اس میں ادق عربی لغات ہیں جن کے لئے لغت کی کتابیں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس وقت متولی صاحب نے کہا کہ میرے سامنے مولانا نے مختصر وقت میں قلم برداشتہ اسے تحریر فرمایا ہے۔ جس کے ترجمہ کے لئے آپ کافی وقت اور مطالعہ کرنے کی ضرورت کا اظہار کرتے ہیں۔ حضرت حجۃ الاسلام بہت بڑے ادیب تھے۔ فی البدیہہ عربی میں قصائد کہا کرتے۔ آپ کا نعتیہ کلام متفرق ہے۔ یہ نعت کے مہ پارہ جن کے پاس ہوں وہ پاسبان میں شائع کرادیں۔ آپ نے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعلیم حاصل فرمائی اور اعلیٰ حضرت کے فرمان حامد منی اور انا من حامد کے اعزاز سے نوازے گئے۔ دارالعلوم منظر اسلام بریلی کے آپ بانی ہیں اور یہاں عرصہ تک درس حدیث بھی دیتے رہے۔ شرح عقائد نفی کو بڑے شوق سے اور خصوصی طور پر پڑھایا کرتے۔ فقیر نے بھی شرح عقائد کے کچھ اوراق حضرت حجۃ الاسلام سے پڑھے۔ دارالعلوم کے افتتاح کا بھی عجیب واقعہ ہے۔ عرصہ سے حضرت حجۃ الاسلام اور چند ہی

خواہان سنیت اس دارالعلوم کے افتتاح کے لئے کوشاں تھے مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ منظور نہیں کر رہے تھے اور وجہ یہ تھی کہ اعلیٰ حضرت فرماتے کہ ایسا زبردست ادارہ بغیر چندہ کے نہ چل سکے گا اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ چندہ کے نام سے بیزار تھے اگر کوئی نذر بھی کرتا تو اعلیٰ حضرت کو قبول فرمانے میں بہت تردد ہوتا۔ چہ جائیکہ طلب کرنا اس وقت ایک سید صاحب کے سپرد یہ کار عظیم ہوا کہ اعلیٰ حضرت سے منظوری حاصل کریں اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سادات کا بہت ادب فرماتے اس لئے سید صاحب کو اعلیٰ حضرت سے کلام فرمانے میں کچھ جھجک نہ تھی۔ بعد عصر یہ ذکر تھا کہ وہابیت و دیوبندیت پھیلتی جارہی ہے۔ سید صاحب نے فرمایا اگر روز قیامت خداوند تعالیٰ سوال فرمائے وہابیت کیوں پھیلی تو میں یہ عرض کروں گا کہ مولانا احمد رضا خان نے پھیلائے۔ حاضرین نے کہا یہ کیسے اعلیٰ حضرت نے تو ایسا رد فرمایا اور اپنا قیمتی وقت دن رات اسی میں خرچ فرمایا ہے نہ اپنے راحت و آرام کا کچھ خیال فرمایا۔ نہ طلب دنیا کے لئے محض اللہ و رسول کے لئے نہایت محنت و جانفشانی سے تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

سید صاحب نے فرمایا یہ ایسے کہ دیوبندیوں وہابیوں کا مدرسہ قائم ہوا۔ جسے حدیث و قرآن و تفسیر پڑھنا ہوا وہاں گیا اور وہابی ہو گیا۔ اگر سنیوں کا بھی کوئی مدرسہ ہوتا تو وہابیت کو ہرگز یہ ترقی نہ ہوتی۔ بس اسی وقت اعلیٰ حضرت نے مدرسہ کے قیام کی منظوری عنایت فرمائی۔ حضرت حجۃ الاسلام کا عمل حدیث شریف **تبسک فی وجہ اشیک صدقۃ** پر تھا جس سے ملتے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے۔ ہر شخص یہ سمجھتا مجھ سے زیادہ محبت فرماتے ہیں درود شریف بکثرت پڑھتے یہاں تک کہ ایک ان کے خاندانی مخالف بیان کرتے تھے کہ چند رات ان کے یہاں مقیم رہے شب کو دیکھا کہ سونے میں کچھ کہہ رہے ہیں نزدیک گئے تو سنا درود شریف پڑھ رہے ہیں اور پھر خواب سے معلوم ہوا سو رہے ہیں۔ شکر کا مرض ہوا۔ غشی کا دورہ کئی کئی گھنٹوں کا ہوتا اور حالت ہزیان یہ ہوتی کہ سر کے اشارہ سے مسلسل نماز دست بستہ پڑھے جا رہے ہیں۔ کوئی کہتا؟ آپ نماز پڑھ چکے ہیں تو فرماتے اچھا اور پھر تھوڑی دیر میں وہی نماز۔

اپریشن ہوتے اور اس قسم کے کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ فرماتے۔ جس کی نظیر ملنی مشکل و نادر بغیر کلورو فارم کے چیر پھاڑ ہوتی اور نشتر بلا تکلف چلتے۔ داہنے ہاتھ کا انگوٹھا کاٹ دیا گیا۔ مگر کیا مجال کہ اف بھی فرماتے۔ یا ذرا سی بھی جنبش ہوتی۔ ادے پور میں ایک ایسے ہی اپریشن پر وہاں کے ایک مشرک ڈاکٹر نے راجہ سے اس کا ذکر بایں الفاظ کیا۔ وہ اپریشن کے وقت اپنے جسم میں نہ تھے بلکہ اپنے مالک کے پاس چلے گئے تھے ہم نے ایک غیر ذی روح جسم میں آپریشن کیا تھا۔ اپنے اور پرائے موافق و مخالفت سب ہی اس عظیم صبر و تحمل کے معترف تھے اور بڑے تعجب سے اس کا ذکر کرتے آپ کے حسن و جمال کی تسخیر کے دو شاہ کار تو یہی ہیں ایک حضرت مولانا سردار احمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ رضویہ لائل پور دوسرے حضرت مولانا حشمت علی خان صاحب پیلی بھیتی، مولانا سردار احمد صاحب ایف اے کی طیاری کر رہے ہیں اور مولانا حشمت علی صاحب عبدالشکور کاکوری کے مدرسہ میں ہیں۔ ایک نظر حضرت حجۃ الاسلام کو دیکھ لیتے ہیں اور ایسے دیوانہ ہو جاتے ہیں کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ سیدھے بریلی اور آستانہ عالیہ رضویہ کے ایسے گوہر آبدار اور شمس و قمر بن جاتے ہیں کہ آج سنیت و رضویت ان پر فخر کرتی ہے اور وہ لائل پور جو پاکستان کا دیوبند اور نجد تھا۔ آج وہاں بریلی کا ایک رخشندہ آفتاب جگمگا رہا ہے جس کی چمک سے بپرہ چشم اندھے ہو رہے ہیں۔

حضرت حجۃ الاسلام اپنے متوسلین کی مجلس میں گھنٹوں مسلسل فضائل سرور کائنات اور رد وہابیت و نجدیت پر تقریر فرماتے رہتے اور لوگ ہمہ تن عالم سکوت میں سنا کرتے جوق در جوق سلسلہ بیعت و ارادت میں داخل ہوتے۔ لاکھوں کی تعداد میں رضویت کی توسیع حضرت حجۃ الاسلام کی ذات سے ہوتی۔ آپ کا تاریخی نام محمد ہے۔ ۱۲۹۲ھ اور شاید ۶۲ھ ۱۷ جمادی الاولیٰ تاریخ وفات ہے۔

ایک والی ریاست اعلیٰ حضرت سے ملنے کے بہت مشتاق تھے۔ دعوت بھیجی اعلیٰ حضرت نے انکار فرما دیا۔ خود آنا چاہا اور معلوم ہوا آ رہے ہیں فوراً اعلیٰ حضرت اپنی زمینداری موضع کرتول میں تشریف لے گئے۔ عمر بھر یہ اشتیاق ان والی ریاست کو رہا۔ مگر

اعلیٰ حضرت نے ان سے ملاقات نہ کی۔ صاف کہہ دیا بئس الفقیر علی باب الامیر آدمی ذی علم تھا جواب بھیجا۔ نعم الامیر علی باب الفقیر۔ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا میرے یہاں ٹوٹی ہوئی کرسیاں ہیں۔ ایسے بڑے نواب کی شان کے لائق میرے یہاں کوئی چیز نہیں۔ نہ یہاں ان کی تواضع کے کچھ سامان ہیں غرض اجازت نہ دی اور وہ جب بلا اجازت آنے لگے تو پھر مکان ہی سے چلے گئے۔ جب اعلیٰ حضرت کا وصال ہوا تو خانقاہ شریف کی تعمیر کے لئے ستر ہزار روپیہ حجۃ الاسلام کو بھیجا۔ مگر واہ سبحان اللہ سچوں کا سچا جانشین استغنا ہو تو ایسا ہو۔ واپس فرما دیا اور فرمایا جب اعلیٰ حضرت نے اپنی حیات میں آپ سے کچھ قبول نہ فرمایا تو ان کی خانقاہ کی تعمیر میں آپ کا روپیہ میں کیسے قبول کراوں۔ اس مختصر سے مضمون میں تمام حالات کیسے آ سکتے ہیں پھر بھی کم از کم آپ کے انتقال کا یہ واقعہ ضرور لائق ذکر ہے۔ میں نے خود بہت اموات دیکھیں۔ یہ دیکھا جسم سخت ہو جاتا ہے اور بالکل کی تختہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اور ایک حجۃ الاسلام کو بچشم خود میں نے دیکھا اور ابھی بہت سے دیکھنے والے موجود ہیں جو اس حقیقت کے گواہ ہیں۔

وقت غسل یہ اجسام مبارک بالکل زندہ جسم کی طرح نرم و نازک تھے۔ ہاتھ کندھے تک بلا تکلف مڑ جاتا اور جسم دبانے سے نرم معلوم ہوتا۔ اس نرمی کے اعتبار سے مکمل زندہ جسم کے مطابق مطلق سختی نہیں۔

ایسے ہی سر اس طرف اس طرف گھمایا جا سکتا اور غسل بھی فوراً نہیں بلکہ اعلیٰ حضرت کو بیس گھنٹہ بعد دیا گیا اور نرمی کی وہی کیفیت اور حجۃ الاسلام کو بھی تقریباً ۱۲ گھنٹہ بعد اور نرمی کا وہی عالم ایک عجیب بات یہ دیکھی کہ حضرت حجۃ الاسلام کا وصال ۱۰ بجکر ۴۵ منٹ پر شب میں ہوا۔ گرمی کا موسم مئی کا مہینہ دوسرے دن ۲ بجے دن پیشانی پر پسینہ دیکھا گیا۔ اس وقت تو صرف تعجب ہی ہوا۔ مگر اب اس کی حقیقت معلوم ہوئی۔ جب دوران تدریس درجہ حدیث یہ حدیث شریف نظر سے گزری۔ عن بریدة المومن یموت بعرق الجبین (رواہ الترمذی)۔

دوران بیماری پلنگ اندر باہر پکڑا جاتا تو مشقت معلوم ہوتی اور بوجھ محسوس ہوتا اور بعد وصال جنازہ مبارک پھولوں کی مانند ہلکا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سی شہادتیں ہیں جو آپ کی مقبولیت و کرامت پر دلالت کرتی ہیں ان کی تفحص تلاش آپ کے مریدین سے کی جا سکتی ہے اگر اس سلسلہ میں خاص کر مولانا سردار احمد صاحب کو لائل پور لکھا جاتا تو بہت کچھ معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔

نعت رسول مقبول ﷺ

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ
سب سے بالا و والا ہمارا نبی ﷺ
اپنے مولا کا پیارا ہمارا نبی ﷺ
دونوں عالم کا دولہا ہمارا نبی ﷺ
بزمِ آخر کا شمعِ فروزاں ہوا
نورِ اوّل کا جلوہ ہمارا نبی ﷺ
جس کو شایاں ہے عرشِ خدا پر جلوس
ہے وہ سلطانِ والا ہمارا نبی ﷺ
بجھ گئیں جس کے آگے سب ہی مشعلیں
شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبی ﷺ
جس نے مُردہ دلوں کو دی عُمر ابد
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی ﷺ
غمزدوں کو رضا مژدہ دیجے کہ ہے
بے کسوں کا سہارا ہمارا نبی ﷺ

کلام: امام احمد رضا خاں بریلویؒ

حالات

حضرت آسی صاحب غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ ولادت و وفات

۹ شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ تاریخ نام ''ظہور الحق'' تاریخ وفات ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ مطابق ۲ فروری ۱۹۱۷ء اسم گرامی محمد عبد العلیم صاحب المخلص ''بہ آسی'' مزار مبارک غازی پور محلہ نور الدین پورہ میں ہے۔ آپ کے والد ماجد قطب العارفین حضرت شیخ قنبر حسین قدس سرہٗ نسباً سلسلہ جدی سے انصاری تھے۔ جد مادری آپ کے اجداد کے بندگی شیخ مبارک تھے جو حضرت مولانا مظفر بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں تھے اور عدن سے سکندر پور ضلع بلیا تشریف لائے تھے جن کا مزار مبارک سکندر پور میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ قاضی پورہ ضلع آرہ کی تھیں جو حضرت مفتی احسان علی صاحب علیہ الرحمۃ کی پوتی تھیں۔ حضرت مفتی احسان علی صاحب'' حضرت شاہ غلام حیدر صاحب بلادی کے اجل خلفاء میں تھے۔ حضرت کی والدہ محترمہ کا انتقال حضرت کی صغر سنی ہی میں ہو گیا تھا' نانی صاحبہ نے پرورش کی۔ حضرت کی شادی محلہ نور الدین پورہ میں منشی راحت علی صاحب کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔

حضرت کی تعلیم

ابتدائی کتابیں تو حضرت نے دوسروں کو پڑھتے ہوئے سن کر یاد کر لی تھیں درسیات فرنگی محل کے مشہور علامہ حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب سے پڑھی تھیں۔ حضرت آسی علیہ الرحمہ یہ فرماتے تھے کہ میں نے کوئی کتاب نصف صفحہ اور ایک صفحہ سے زائد استاد سے

نہیں پڑھی۔ نصف سطر یا ایک سطر کا مطالعہ فرمایا کرتے اور اسی میں رات گزر جاتی۔
نصف سطر کے سبق میں چھ سات گھنٹہ صرف ہوتے تھے۔ استاد و شاگرد دونوں پسینہ پسینہ
ہو جاتے۔ نصف صفحہ یا ایک صفحہ کے بعد مولانا عبدالحلیم قدس سرہٗ کتاب بند کرا دیتے
اور فرماتے کہ اب کتاب ختم ہوگئی دوسروں کو پڑھاؤ۔

حضرت آسی جس وقت شرح سلم پڑھتے تھے تو مطالعہ میں ملا بحر العلوم کا حاشیہ نہیں
دیکھتے تھے۔ مطالعہ کے بعد جب حاشیہ ملاحظہ فرماتے تو اکثر یہ ہوتا کہ ملا بحر العلوم سے
زیادہ اعتراضات و جوابات پیدا فرماتے۔ حضرت آسی رحمتہ اللہ علیہ کی تاریخ کا یہ حصہ
دیکھ کر مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ کی درس گاہ کا پر کیف منظر نظروں
کے سامنے آ جاتا ہے۔ استاذ محترم مولانا محمد نظام الدین صاحب قبلہ اور مجاہد ملت کے
درمیان جب کسی الجھے ہوئے مسئلہ پر گفتگو ہوتی تو بسا اوقات دونوں طرف سے آستینیں
اٹھ جاتیں اور کئی کئی دن ایک سبق میں لگ جاتے۔ مولوی اسلام مرحوم سنبھلی کی شرح
مرقات مجاہد ملت کے یہاں ہوتی تھی۔ مرحوم کے ہم سبق جماعت کی تعداد گیارہ کے لگ
بھگ تھی۔ ڈھائی سال مسلسل پڑھانے کے بعد تقریباً ۲۶ صفحہ تک شرح مرقات کا درس
ہوا تھا۔

حضرت آسی کی شاعری

حضرت پہلے عاصی تخلص فرماتے تھے پھر بعد میں آسی کر دیا تھا۔ شاعری میں
حضرت شاہ غلام افضل کے شاگرد تھے جو ناسخ لکھنوی کے ارشد ترین تلامذہ میں سے
تھے۔ ناسخ کا شعر ہے۔

پھر پھر کے دائرہ ہی میں رکھتا ہوں میں قدم
آئی کہاں سے گردش پرکار پاؤں میں

یہ وہی دائرہ شاہ اجمل ہے جہاں کے سجادہ نشین حضرت شاہ غلام اعظم افضل تھے۔
(دائرہ شاہ اجمل الٰہ آباد کا قدیمی مشہور دائرہ ہے اس دائرہ میں بڑے نامور شہرۂ آفاق
علماء و مشائخ پیدا ہوئے اور اب تک ہیں اور ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں ملت

اسلامیہ کی خدمات انجام دیں) اور ناسخ شاہ غلام افضل صاحب ہی کے یہاں تشریف رکھتے تھے۔ شاہ صاحب کی شاگردی کا واقعہ ناسخ کے ساتھ اس طرح پیش آیا کہ جب ناسخ الہ آباد آئے تو حضرت افضل کی ذہانت پر عاشق ہو گئے۔ شاہ صاحب موصوف ایک میاں جی کے شاگرد تھے۔ جو ہجو گوئی میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ میاں جی کے خوف سے ناسخ کی ہمت نہ پڑی کہ شاہ صاحب موصوف کو اپنا شاگرد بنائیں۔ چنانچہ ایک روز حضرت ناسخ پانچ روپیہ کی مٹھائی اور دو سو روپیہ نقد لے کر گئے اور عرض کی میں شاگرد ہونے آیا ہوں، میاں جی بہت ہی مفلوک الحال تھے دو سو روپیہ کی رقم پا کر بہت خوش ہوئے جب وہ نذرانہ قبول کر چکے تو ناسخ نے دست بستہ عرض کی کہ افضل کو مجھے دے دیجئے۔ میاں جی نے فرمایا کہ تم نے بڑا دھوکہ دیا کیونکہ وہی تو مجھے ایک لڑکا ملا ہے قہر درویش بر جان درویش افضل کو ناسخ کے حوالے کر دیا۔

حضرت افضل کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ کبھی مشاعرے میں پہلے سے غزل نہیں کہتے تھے عین مشاعرہ کے وقت اٹھ کھڑے ہو جاتے تھے اور خانقاہ اجملیہ میں دو کاتب دونوں سرے پر بیٹھ جاتے، شاہ صاحب ٹہلتے جاتے اور ایک سرے پر پہنچ کر ایک کو شعر لکھاتے اور دوسرے سرے پر دوسرے کو اس قدر جلد شعر فرماتے تھے کہ دونوں کاتب بدقت شعر لکھ پاتے۔

ایک مرتبہ ناسخ کے دوران قیام الہ آباد میں کچھ اساتذہ لکھنو سے آئے تھے، خانقاہ اجملیہ میں مشاعرہ ہوا، طرح کی زمین پتھر چاندنی خنجر چاندنی تھی، لکھنوی حضرات میں کسی کے شعر میں عین تقطیع سے گر گئی تھی، شاہ صاحب نے ان سے آنکھ ملا کر یہ شعر پڑھا

عین برقعہ سے نکالے گر وہ شوخ نازنیں
حسن پر نازاں ہو پھر کیا خاک پتھر چاندنی

ایک مرتبہ شاہ صاحب لکھنو تشریف لے گئے تو ناسخ کی اجازت سے آتش سے ملاقات کی۔ رسم تعارف کے بعد شاہ صاحب نے آتش سے غزل سنانے کی فرمائش کی۔ آتش نے یہ مطلع پڑھا۔

حسن سے قدرت خدا کی رو نظر آیا مجھے
ریش پیغمبر ترا گیسو نظر آیا مجھے

شاہ غلام اعظم صاحب نے لاحول پڑھا آتش خاموش ہو گئے پھر کوئی شعر نہیں سنایا واپس آئے تو ناسخ سے قصہ سنایا۔

حضرت آسی رحمتہ اللہ علیہ جب شاہ غلام اعظم کے شاگرد ہوئے تو ابتدا میں چند غزلوں پر اصلاح پڑی بعد میں شاہ صاحب یہ لکھ کر واپس کر دیتے تھے کہ کہیں اصلاح کی گنجائش نہیں ہے' ایک مرتبہ حضرت آسی نے یہ طرح بھیجی تھی جس کا قافیہ ردیف ''مکان پر'' ''امتحان پر'' تھا کسی نے شاہ صاحب سے یہ کہہ دیا کہ حضرت آسی نے یہ طرح آپ کے پاس امتحان کے لئے بھیج دی ہے جس پر شاہ صاحب خفا ہو گئے اس واقعہ کا اشارہ شاہ صاحب کے پاس اس مطلع میں موجود ہے۔

احباب مستعد ہیں میرے امتحان پر
پہنچے گی اس غزل کی زمین آسمان پر

لیکن جب آسی نے ملاقات کی تو شاہ صاحب کا دل صاف ہو گیا اسی ردیف و قافیہ کا دوسرا شعر ہے۔

پہنچا ہے عرش پر تن خاکی مصطفیٰ
کس شان سے زمین گئی آسمان پر

حضرت آسی فرماتے تھے اب اس سے بہتر کوئی ''زمین آسمان پر'' نہیں جا سکتی۔

حضرت آسی کے تلامذہ

حضرت آسی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے تلامذہ کی تعداد کثیر تھی جن میں مولوی عبدالاحد صاحب شمشاد لکھنوی' مولوی عبدالصمد صاحب رئیس وکیل غازی پوری حکیم سید محمد غازی پوری مولوی احمد حسین لبیب سکندر پوری بہت ممتاز تھے۔ حضرت آسی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ان کو ناسخ سے افضل نہ سمجھو تو ان سے کم بھی نہ سمجھو' اور لبیب سکندر پوری کے بارے میں فرماتے تھے کہ واقعی اسم با مسمی ہیں۔ ایک مرتبہ لوگوں نے لبیب کو

زبردستی ممبر پر بٹھا دیا اور مجبور کیا مرثیہ پڑھو۔ لبیبؔ نے حضرت آسیؔ کی ایک غزل میں ایک ایک دو دو لفظ کی تبدیلی کر کے برجستہ سلام پڑھ دیا۔ حضرت کا مطلع یہ تھا ؎

قصروں میں جب کسی دن آپ کا آنا ہوا
یہ ہوئی رفعت کہ بام عرش تہہ خانہ ہوا

لبیبؔ نے اس کو اس طرح پڑھا ؎

مجرئی جب قصروں میں شاہ کا آنا ہوا
یہ ہوئی رفعت کہ بام عرش تہہ خانہ ہوا

حضرت صغیرؔ بلگرامی جو مومنؔ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ڈومراؤ ضلع آرہ میں رہتے تھے۔ حضرت سے چشمک رہا کرتی تھی۔ ان کی طرف سے ایک طرح دی گئی جس کی زمین "آتے ہی کیوں، جاتے ہیں کیوں" تھی حضرت کے پاس مصرعہ طرح غلط بھیجا گیا اور ردیف "آتا ہوں کیوں، جاتا ہوں کیوں" بتائی گئی۔ حضرت جب مشاعرہ میں پہنچے تو غلط طرح پہنچنے کا علم ہوا، یہ حرکت گراں گزری اور جو غزل گھر سے غلط طرح میں کہہ کر گئے تھے اس کو غیر طرح کہہ کے پڑھ دی جس کا مقطع یہ ہے ؎

طرح مصرعہ ہوا ہے جمع کے صیغے کے ساتھ
میں غزل مفرد میں اے آسیؔ پڑھے جاتا ہوں کیوں

اور اس کے بعد برجستہ طرح میں غزل پڑھنا شروع کر دیا جس میں کہیں کہیں اپنے مخالفین پر چوٹ بھی کرتے جاتے تھے۔ ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

شمع کے مانند ہے اپنا بھی کیا سوز و گداز
صورت پروانہ دشمن ہم سے جل جاتے ہیں کیوں

حضرت آسیؔ کے کلام میں کہیں کہیں تلمیح طلب اشعار بھی ہیں مثلاً۔

پل بھی نہ ہے فخر جون پور آسیؔ
خواب گاہ جناب شیخو ہے

حضرت شاہ شیخو مجذوب سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ تھے، قطب الاقطاب حضرت محمد

رشید جونپوری رحمتہ اللہ علیہ صاحب خانقاہ رشیدیہ و مصنف مناظرہ رشیدیہ کے دوست اور معاصر تھے، جونپور کا پل انہیں کی دعا سے بنا ہے۔

واقعہ یہ تھا کہ اکبر بادشاہ جونپور دورہ پر آیا تھا۔ شام کو دریا کی سیر کے لئے کشتی پر نکلا، دریائے گومتی بہت جوش پر تھا، دیکھا کہ ایک عورت دریا کے کنارے بیٹھی رو رہی ہے، دریافت کیا، عورت نے کہا کہ میں اپنا شیر خوار بچہ اس پار چھوڑ کر شہر میں کچھ ضرورت سے آئی تھی، اب کھیو بند ہو گیا ہے میرا بچہ رات بھر بغیر دودھ کے تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔ اکبر نے اپنی کشتی پر اس عورت کو بٹھا کر اس پار اتار دیا۔ اور منعم خاں خانخاناں کو حکم دیا کہ اس جگہ پل بنواؤ۔ منعم خاں خانخاناں نے جب کاریگروں کو پل بنوانے کا حکم دیا تو کاریگروں نے کہا کہ اس جگہ بہت بڑا کنڈ ہے، یہاں پر پل نہیں بن سکتا۔ اس کنڈ کو روپیوں سے پاٹ لیجئے جب پل بنے گا مقصد یہ تھا کہ بہت کثیر روپیہ خرچ ہو گا۔ خان خانخاناں آمادہ ہو گئے۔

پہلے کاریگروں نے خشکی میں پانچ طاق کا ایک پل بنایا اور دریا کو کاٹ کر اس طرف لے گئے پھر بھی اس جگہ پل نہ بن سکا۔

خان خانخاناں خود ٹوپی سی کر اس کی قیمت سے روٹیاں کھاتے تھے، اسی مال حلال سے دو چار روپیہ ان کے پاس موجود تھے، اسی روپیہ سے اولیاء اللہ جونپور کی دعوت کر دی۔ کھانا کھانے کے بعد خان خانخاناں نے دست بستہ عرض کی کہ آپ لوگ دعا فرمائیں کہ اس جگہ پل بن جائے۔ حضرت شاہ شیخو نے دعا کی کہ بقیہ اولیاء اللہ نے ''آمین'' کہی اس کے بعد کاریگروں نے جو اینٹ جہاں رکھی وہ ہلنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ جس جگہ ان بزرگوں نے دعا کی تھی خان خانخاناں نے ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرا دی تھی جس کا نام ''مستجاب الدعوات'' ہے۔ یہ مسجد پل کے شمالی حصہ سے پورب نیچے اتر کر چالیس پچاس قدم کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس پل کا مادۂ تاریخ ''صراط المستقیم'' ہے پل کے استحکام کا یہ حال ہے کہ ۱۸۷۱ھ میں ایسی زبردست باڑھ آئی تھی کہ دریا کا دھارا پل کے اوپر جو کوٹھریاں بنی ہوئی ہیں ان کی برجوں سے اوپر بہتا تھا۔ شاہی زمانے کی چار کوٹھریاں وسط

پل میں ہیں اور بقیہ کوٹھریاں انگریزی زمانے کی ہیں' اس طوفان کے سیلاب میں بھی پل کی ایک کنکری بھی کہیں سے نہیں نکلی' انگریزی کوٹھریاں سب بہہ گئی تھیں۔ (اخبار کی حالیہ اطلاع ہے کہ ۱۸۷۱ء کے بعد ۱۹۵۵ء میں دوسرا تباہ کن سیلاب آیا)

حضرت شاہ شیخو مجذوب اس مسجد میں گدڑی پہنے بیٹھے رہتے اور لرزہ سے ہر وقت کانپتے رہتے تھے۔ جب کوئی ملنے کے لئے آپ کے پاس آیا تو گدڑی اتار کر رکھ دیتے اور فرماتے کہ اے جاڑے اس گدڑی میں چلا جا گدڑی کانپنے لگتی اور خود بیٹھ کر باتیں کرتے جب وہ شخص چلا جاتا تو گدڑی پہن لیتے اور کانپنے لگتے۔ حضرت شاہ شیخو رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا مزار پاک دروازہ مسجد سے متصل زیارت گاہ خلائق ہے۔ یہ تو ایک ضمنی بات تھی مقصود یہ ہے کہ حضرت آسی رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی شعروشاعری سے کافی ہم آہنگ رہی۔ حضرت کا کلام معائب سخن سے بالکل پاک ہے۔ مجاز کے انداز میں حقیقت کی پردہ داری جس انداز سے فرمائی وہ حضرت آسی ہی کا حق ہے۔

لطیفہ

حضرت آسی رحمتہ اللہ علیہ نے حقیقت حال کے انکشاف کے لئے ایک رباعی حلقہ مریدین میں ارشاد فرمایا۔

رباعی

چار یاران نبی میں آسی تبعیت مجھے ہر یار کی ہے
طلب راہ خدا میں لیکن پیروی حیدر کرار کی ہے

اس رباعی کے سننے کے بعد حلقہ مریدین میں سے ایک چہیتے مرید نے عرض کیا کہ سرکار آپ کے بعد شیعہ حضرات اگر اس رباعی سے غلط فائدہ اٹھانا چاہیں تو ہمارے پاس کیا جواب ہوگا۔ حضرت آسی رحمتہ اللہ علیہ نے برجستہ ارشاد فرمایا کہ کیا اس وقت انکشاف حقیقت کے لئے ہمارا یہ شعر کہ

یا نبی جائے نشینی کے لئے آپ کے بعد
لوح محفوظ میں تھا کون سوائے صدیق

پیش کرنے میں تمہیں کیا جھجک ہو گی۔

حضرت آسی اپنے زمانے کے خدارسیدہ اور ولی کامل بزرگ تھے۔ آج بھی بہت سے علمائے اہل سنت یہ فرماتے ہیں کہ اس آخری دور میں حضرت آسی نے تصوف کی لاج رکھ لی۔ مسائل تصوف پر جس حسن سلوک سے اظہار خیال فرمایا ہے اس سے آپ کا دیوان بھرپور ہے، مختلف فیہ مسائل میں بھی حضرت آسی امام اہل سنت کے دوش بدوش تھے۔

حضرت آسی کی شاعری کوئی عامیانہ شاعری نہ تھی بلکہ فن شاعری کے ایسے اصولوں کی بھی پابندی فرماتے تھے، جس پر دوسرے اساتذہ کا چلنا دشوار تھا کبھی کبھی غالب اور مومن وغیرہ کی غزل پر طبع آزمائی فرماتے تھے مثلاً غالب کی غزل کا مطلع ہے۔

سادگی پر اس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کف قاتل میں ہے

حضرت آسی کا مطلع ملاحظہ ہو۔

وائے محرومی یہاں شوق شہادت دل میں ہے
جوش آبِ زندگانی خنجر قاتل میں ہے

دوسرا شعر:

پھر وہی دل کی طلب ہے ان کو شرم آتی نہیں
خاک کر ڈالا جلا کر دل کو اب کیا دل میں ہے

مومن کا شعر ہے۔

آنکھیں جو ڈھونڈتی تھیں نگہ ہائے التفات
گم ہونا دل کا وہ مری نظروں سے پا گیا

حضرت آسی نے اسی مضمون کو اس پیرائے میں ادا کیا۔

پیمانہ نگاہ سے آخر چھلک گیا
سر جوش ذوق وصل تمنا کہیں جسے

حضرت آسیؔ بہتر اصلاح فرماتے تھے سڑک سے درگاہ تک حضرت نے ایک سڑک اور پل بنوایا تھا۔ حضرت شمشاد نے تاریخ کہی۔

"پل، مطاع زیارت گہہ رشید آباد"

حضرت نے سننے کے بعد برجستہ فرمایا کہ مولوی صاحب پے کی "ی" کو نکال کے مطاع کے "ع" کو "ف" سے بدل دیجئے، اب مصرعہ یوں ہوا۔

"پل مطاف زیارت گہہ رشید آباد"

اہل فن حضرات سمجھ سکتے ہیں کہ اب مصرعہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ اب مناسب یہ ہے کہ حضرت آسیؔ کے دیوان سے چیدہ اشعار آپ حضرات کی ضیافت طبع کے لئے پیش کر دیئے جائیں۔

۱- میری آنکھیں اور دیدار آپ کا
یا قیامت آ گئی یا خواب ہے

۲- عجب حسرت سے آسیؔ کہہ رہا تھا کل مدینے میں
شفاعت ہو گی پہلے حشر میں یا مصطفیٰ کس کی

۳- جھومتا جاتا ہے آسیؔ حشر میں
عاشقان سرور عالم کے ساتھ

۴- کسی در پر پڑا رو، رو کے آسی رات کہتا تھا
کہ آخر میں تمہارا بندہ ہوں تم بندہ پرور ہو

۵- کہاں جبہ کہاں چھینٹے شراب ناب گلگوں کے
کہو آسیؔ یہ کیا دھبا لگایا پارسائی میں

۶- اخیر وقت ہے آسیؔ چلو مدینے کو
نثار ہو کے مرو تربت پیمبر پر

۷- پوچھتے ہو شہہ جیلاں کے فضائل آسیؔ
ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

۸- وہ کاش اتنا قیامت میں تو پوچھیں
کہاں ہے آ سی بے دل ہمارا

۹- اصل فتنہ ہے قیامت میں بہار فردوس
جز تیرے غیر نہ چاہے مجھے وہ دل دینا

۱۰- ملنے کی یہی راہ نہ ملنے کی یہی راہ
دنیا جسے کہتے ہیں عجب راہ گزر ہے

۱۱- میں وہیں سمجھا ملی جب کثرت آدم مجھے
عالم غم میں بنایا مرکز عالم مجھے

۱۲- بے حجابی یہ کی ہر ذرہ میں جلوہ آشکار
اس پر گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

۱۳- حرص دولت کی نہ عزو جاہ کی
بس تمنا ہے دل آگاہ کی

۱۴- درد دل کتنا پسند آیا اسے
میں نے جب کی آہ اس نے واہ کی

۱۵- پیکاران یار دیکھئے کس پر کرم کرے
دل اس طرف' جگر ادھر امیدوار ہے

۱۶- آخر اک اے گل تر تجھ کو مرجھانا پڑا
اس قدر بھی اپنے جامے سے کوئی باہر نہ ہو

تاریخ وصال

۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ بروز اتوار ایک بج کر بیس منٹ پر داعی اجل کو لبیک فرما کر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت کا عرس مبارک ۲ جمادی الاولیٰ کو شہر غازی پور محلہ نور الدین پورہ میں مزار مبارک پر ہوا کرتا ہے۔ وصال کی تاریخیں بہت سے لوگوں نے کہیں۔ مولوی محمد احمد

صاحب ایمن سکندر پوری نے "لقد رضی اللہ عنہ سے تاریخ نکالی اور سلطان العارفین حضرت شاہ صوفی شاہد علی عرف شاہ سبز پوش ۱۳۳۵ھ رحمتہ اللہ علیہ حسب ذیل تاریخ فرمائی۔

شد جہاں بے او بچشم من سیاہ

ے

محو ذات اللہ حلیم پاکباز

۱۳۳۵ھ ے ۱۳۴۲ھ

نور کا

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالا نور کا
نور دن دونا ترا دے ڈال صدقہ نور کا

تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا

شمع دل مشکوۃ تن سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا

سوانح صدر الشریعہ

مولانا امجد علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ

نسب نامہ

حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا امجد علی ابن مولانا حکیم جمال الدین ابن مولانا خدا بخش ابن مولانا خیر الدین۔

خاندان

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمتہ کے آباؤاجداد اہل علم وفضل تھے آپ کے والد بزرگوار علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد طبابت کیا کرتے تھے۔ دادا بزرگوار جب حج کے لئے تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ میں شیخ الدلائل سے دلائل الخیرات کی اجازت حاصل کی تو اس اجازت نامہ میں مولانا خدا بخش علیہ الرحمہ کو عالم و فاضل تحریر فرمایا ہے۔ مدینہ منورہ کے علماء کے نزدیک یہ مرتبہ وفود علم پر دال ہے۔ یہ حضرت ایک صاحب کرامات بزرگ تھے اور کریم الدین پور والے ان کی کرامات بیان کیا کرتے ہیں۔

بچپن

میں آپ کے زمانہ طفولیت کے متعلق بہت کم معلومات حاصل ہیں۔ البتہ ہم عمر بعض دوستوں سے سنا کہ لڑکپن میں کھیل کود وغیرہ کے شائق نہ تھے جیسے کہ اور لڑکے ہوا کرتے ہیں۔

طالب علم

ابتدائی کتابیں اپنے دادا مرحوم سے پڑھیں اس کے بعد اپنے بڑے بھائی حضرت

مولانا محمد صدیق صاحب موسس و بانی دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور سے فنون و علوم کی ابتدائی تعلیم حاصل کی حضرت مولانا محمد صدیق صاحب حضرت مولانا ہدایت اللہ خان صاحب رامپوری ثم جونپوری علیہ الرحمہ کے ارشاد تلامذہ سے تھے۔ پھر انہیں کے مشورے سے آپ مدرسہ حنفیہ جونپور میں داخل ہوئے اور حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں علیہ الرحمہ سے بلاواسطہ اسباق شروع کیے۔ تحصیل علم کے زمانے کے بعض کوائف خود ہی بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ دن میں استاذ علیہ الرحمہ سے اسباق پڑھتے اور رات میں ان کی خدمت کے لئے حاضر ہو جاتے لیکن یہ خدمت بڑی بابرکت ہوا کرتی۔ ہم لوگ استاذ علیہ الرحمہ کے پیر دباتے رہتے اور استاذ علیہ الرحمہ دن کے اسباق کے متعلق دریافت فرماتے تھے۔ تھوڑی سی دیر میں تمام اسباق کا اعادہ ہو جاتا اور اگر کوئی فروگذاشت ہوئی ہوتی تو حضرت استاذ علیہ الرحمہ کی ہدایت سے وہ یاد ہو جاتی' اسباق پڑھنے کے زمانہ میں استعداد اتنی اعلیٰ تھی کہ اگر قطبی پڑھتے تھے تو شرح تہذیب نہایت آسانی سے دوسرے طالب علموں کو پڑھاتے تھے۔ اسی طرح پڑھنے کے زمانے ہی میں پڑھانے کا اور تعلم کے زمانے میں تعلیم و تدریس کا ذاتی تجربہ خوب حاصل ہو گیا تھا۔ اور اس طریق تعلم کا یہ نتیجہ لازمی تھا کہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے اندر افہام و تفہیم کا ملکہ بھی راسخ تھا۔

زمانہ طالب علمی کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ہم لوگ جونپور کے بازار میں خریداری کے لئے گئے کوئی سامان خریدا۔ اس زمانہ میں وہاں دلالی کا کام روافض کرتے تھے۔ یہ اپنا سامان خریدنے میں مصروف تھے۔ دلال آ کر کھڑا ہو گیا۔ حضرت نے سامان خریدنے کے بعد دوکاندار کو قیمت ادا کر دی تو دلال آگے بڑھ کر بولا۔ ہمارا کمیشن دیجئے۔ فرمایا کہ یہ چیزیں ہم نے خود خریدی ہیں۔ تمہیں کمیشن کیوں دیں۔ بات بڑھتے بڑھتے لڑائی کی نوبت آ گئی چونکہ خود حق پر تھے اس لئے دلالوں کی پوری مرمت کی۔ جب وہاں سے مدرسہ لوٹے تو اب تشویش پیدا ہوئی کہ اگر حضرت استاذ کو اطلاع ہو گئی تو بہت ناراض ہوں گے لیکن جب استاذ کے سامنے گئے اور استاذ علیہ الرحمہ کو پہلے ہی

معاملہ کی پوری اطلاع پہنچ گئی تھی، بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے بہت اچھا کیا اگر تم پٹ کر آتے تو میں تم کو مدرسہ میں نہ آنے دیتا۔

مدرسہ حنفیہ کی تعلیم سے فارغ ہو کر پھر دورہ حدیث شریف کی تحصیل کے لئے حضرت استاذ الاساتذہ شیخ المحدثین حضرت علامہ مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی علیہ الرحمہ کی خدمت میں شہر پیلی بھیت حاضر ہوئے۔ احادیث کی تکمیل کے بعد فن طب جو آبائی پیشہ تھا اس کے حاصل کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ حکیم حافظ مولوی عبدالولی صاحب جھوائی ٹولہ لکھنو سے اس فن کی تکمیل کی، اس کے بعد ایک سال تک پٹنہ میں مطب کرتے رہے۔

پٹنہ کی زندگی کے متعلق بعض باتیں فرمایا کرتے تھے، افسوس کہ قلم بند نہ ہونے کی وجہ سے حافظہ سے نکل گئیں۔

اعلیٰ حضرت کے دربار میں

اسی دوران میں بریلی شریف حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ اس وقت مجدد ماۃ حاضرہ مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کو ایک مدرس کی ضرورت تھی آپ کے شفیق استاذ جو ہر شناس حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ تھے اس خدمت کے لئے آنجناب کا نام نامی و اسم گرامی پیش فرمایا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس کو بہت پسند فرمایا۔ اس وقت تک حضرت صدر الشریعۃ نے اعلیٰ حضرت کا شرف قرب حاصل نہ کیا تھا۔ شاید اس سے پہلے زیارت بھی نہیں کی تھی۔ استاذ کے حسب الحکم پٹنہ کا مطب چھوڑ کر سیدھے بریلی شریف آ گئے۔

ابتداء بریلی شریف میں درس کا کام شروع کیا اس کے بعد مطبع اہل سنت کے لئے مستعد ناظم و مہتمم کی ضرورت پڑی۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے یہ کام بھی حضرت ہی کے سپرد کیا۔ اعلیٰ حضرت کی پوری حیات طیبہ میں یہ کام سرانجام دیتے رہے۔ اور بعد وصال یہ کام اس وقت چھوڑا جب کہ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ کی صدر مدرسی کے لئے اجمیر شریف روانہ ہوئے۔

بریلی کی زندگی کے واقعات بیان فرماتے ہوئے کئی دفعہ فرمایا کہ صبح نماز فجر سے لے کر رات کے بارہ بجے تک اور کبھی ایک بجے تک مسلسل کام ہوا کرتا تھا صبح سویرے سے مدرسہ کا کام دوپہر کو پریس کی نگرانی اور پارسلوں کی روانگی اور کاپیوں کی تصحیح پریس مینوں کو ہدایت وغیرہ، بعد دوپہر نماز عصر تک تدریس، بعد عصر سے مغرب تک اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے یہاں سوالوں کے جواب تحریر کرتے، بعد مغرب کھانا تناول فرما کر عشاء تک مطالعہ فرماتے، بعد عشاء سے رات کے ۱۲ بجے ایک بجے تک پھر پریس وغیرہ کا کام کرتے تھے۔ اس زمانہ میں کام اتنا کرتے تھے کہ معاصرین اور مشاہدین کا بیان ہے۔

(خصوصاً ماموں جان مولانا امجد رضا خاں صاحب جو حضرت حجۃ الاسلام و حضرت مفتی اعظم کے ماموں جان تھے اور بریلی کے تمام لوگ انہیں ماموں جان ہی کہا کرتے تھے اور ہم لوگ بھی انہیں ماموں جان ہی کہتے تھے۔ ہاں تو ماموں جان فرماتے تھے) کہ مولانا امجد علی صاحب تو کام کی مشین ہیں۔

کام کے سلسلہ میں کبھی اگر کوئی معمولی سی بھی فروگذاشت ہوتی تو اعلیٰ حضرت کی طرف سے خفگی بھی ہوا کرتی تھی، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب وہابیت دیوبندیت، نیچریت رافضیت اور دیگر فرقوں کے رد میں روزانہ نئے رسائل اشتہار پرچے شائع ہوتے اور پھر ہندوستان کے اطراف و جوانب میں روانہ کئے جاتے ایسے عظیم کاموں کی موجودگی میں کوئی نہ کوئی کام چھوٹ بھی جاتا۔ ادھر اعلیٰ حضرت کی نگاہیں ہر کام کی خود نگرانی فرماتیں تو اگر کوئی فروگذاشت ہوتی سخت تنبیہ فرماتے ایک دن ایک معاملہ پر سخت تنبیہہ فرمائی، بعض حاسدین (خدا ان کو معاف فرمائے) نے اس بات کا بہت پروپیگنڈا کیا۔ اعلیٰ حضرت کو جب خبر ملی۔ تو غالباً بعد عصر جب سب ہی لوگ موجود تھے۔ حضرت صدر الشریعہ کی بڑی تعریف فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں ان پر کسی فروگذاشت پر مواخذہ کرتا ہوں تو یہ بھی خلوص اور محبت ہی سے ہوتا ہے۔ عتاب ہمیشہ خاص احباب ہی سے ہوا کرتا ہے حضرت مولانا امجد علی صاحب کی میری نظروں میں بڑی وقعت ہے۔ یہ بات

سن کر تمام لوگوں پر حضرت صدر الشریعہ کی عظمت کا سکہ بیٹھ گیا۔

اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد آپ نے ان کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی۔ اور سلسلہ میں داخل ہوئے اس کے بعد خلافت سے نوازے گئے۔ حضرت صدر الشریعہ نے اعلیٰ حضرت سے کوئی کتاب سبقاً نہیں پڑھی۔ لیکن فرماتے تھے کہ یہ جو کچھ ہے سب آپ ہی کا فیض کرم ہے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا ترجمہ قرآن بھی حضرت صدر الشریعہ کی مسلسل کوششوں کے بعد ظہور پذیر ہوا۔ حضرت وعدہ فرماتے لیکن بعض وجوہ کے سبب اس میں تاخیر ہوتی رہی ایک دن قلم و دوات کاغذ لے کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کی کہ حضور ترجمہ شروع ہو جائے چنانچہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اسی وقت ترجمہ شروع کر دیا۔ ترجمہ کا طریقہ ابتداء یہ تھا کہ ایک آیت کا ترجمہ ہوتا اس کے بعد تفاسیر سے اس کی مطابقت سب لوگ دیکھتے اور حیران ہو جاتے کہ بغیر کسی کتاب کے مطالعہ کے ایسا برجستہ اور مناسب ترجمہ جو تمام تفسیروں کے مطابق یا اکثر و بیشتر کے مطابق ہے کس طرح ہوتا ہے۔ بس یہ خدا کا فضل واحسان وانعام ہی تھا۔

اس کام میں قدرتاً بہت دیر لگتی اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ میں ایک رکوع کا پورا ترجمہ کرتا ہوں اس کے بعد اس کی تمام تفسیروں سے مطابقت آپ لوگ تلاش کریں، ترجمہ اور تفسیروں میں مطالعہ کا کام بہت زیادہ رہا کرتا تھا۔ اس لئے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کسی دن بھی رات کے بارہ بجے سے قبل مکان پر واپس نہ آتے کسی کسی دن رات کے دو بجے تک بھی دیر ہو جایا کرتی۔ بیان فرمایا کرتے تھے کہ اتنی دیر کرنے پر بھی تمہاری والدہ بیٹھی انتظار کیا کرتی تھیں، جب میں آتا تو کھانا گرم کرکے اور روٹی سینک کر مجھ کو کھلاتیں پھر کھاتیں۔ میرے بار بار منع کرنے پر بھی انہوں نے اپنا یہی رویہ رکھا۔ غرض بڑی عظیم الشان کامیابی حضرت صدر الشریعہ کی یہ ہوئی کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے قرآن پاک کا مکمل ترجمہ کرا لیا آج اردو کے موجودہ تراجم میں کوئی ترجمہ بھی کسی حیثیت سے اس کا ہم پلہ نہیں ہے۔

یہاں مولوی اشرف علی اور مولوی محمود الحسن اور مولوی مودودی اور مولوی ابو الکلام آزاد وغیرہم کے تراجم موجود ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً سب سے موازنہ جاری رہتا ہے لیکن ہر مقام پر خدا کے فضل و کرم اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت و امداد سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا ترجمہ تمام ترجموں پر فائق ہے۔

جب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کو کسی مناظرے کے لئے کہیں بھیجنا ہوتا تھا تو آپ کو بسا اوقات بھیجا کرتے تھے۔

ایک زمانے میں مولوی اشرف علی دیوبندیوں کے حکیم الامت نے برما کے علاقہ میں جا کر بڑا فتنہ پھیلایا تھا۔ اس کی سرکوبی اور دفع فتن کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے آپ کو برما بھیجا لیکن وہابیہ کو مقابلہ کی تاب نہ ہوئی اور وہاں سے فرار ہو گئے۔ افتاء کا خاص کام جو بہت اہم تھا حضرت صدر الشریعہ کے سپرد تھا۔ اکثر فتاوے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ املا فرماتے اور آپ تحریر کرتے، بعض اوقات خود فتویٰ لکھ کر لے جاتے بریلی شریف کے عرس کے موقع پر ایک دفعہ تقریر کرتے ہوئے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ جب اعلیٰ حضرت کا وصال ہو گیا تو بڑی فکر دامن گیر ہوئی کہ اب فتاویٰ کی قطعی صحت اور اصلاح کا کام کون کرے گا چنانچہ اس فکر میں سو گیا، خواب میں دیکھا کہ میں پھاٹک میں (کاشانہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ) کھڑا ہوں، اور میرے ہاتھ میں بہت سے فتاویٰ ہیں۔ حضرت دولت خانہ سے تشریف لائے اور فتاویٰ میرے ہاتھوں میں دیئے اور فرمایا ہم اسی طرح آتے رہیں گے۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ مجھے یقین ہوا کہ میرے فتاوے پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی باطنی نظر برابر رہے گی اور جب بھی میں نے کوئی فتویٰ ترتیب دیا تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا خص کرم شامل رہا تو یقین ہے کہ میرا کوئی فتویٰ غلط نہیں بلکہ ہر فتویٰ شریعت کے مطابق ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد چند برس تک حضرت بریلی میں قیام پذیر رہے اس کے بعد دارالعلوم معلیٰ عثمانیہ درگاہ معلیٰ اجمیر مقدس کی صدارت کی جگہ خالی ہوئی دارالعلوم کے معتمد جناب سید نثار احمد صاحب مرحوم نے حضرت مولانا سید سلیمان

اشرف صاحب علیہ الرحمہ سے اس جگہ کے لئے موزوں عالم منتخب کرنے کی درخواست کی۔ حضرت مولانا علیہ الرحمہ جو صدر الشریعہ کے استاذ بھائی اور شفیق دوست اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے خاص معتقد تھے انہوں نے معتمد صاحب کے سامنے حضرت کا نام پیش کیا اور معتمد صاحب کی درخواست پر خود بریلی شریف تشریف لا کر اور حضرت صدر الشریعہ کو وہاں سے چلنے پر مجبور کیا۔ حضرت اپنے شیخ کا آستانہ اور جامعہ رضویہ مدرسہ اہل سنت کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔ مگر حضرت حجت اسلام علیہ الرحمہ مولانا حامد رضا خاں صاحب کے اجازت دینے پر اجمیر شریف تشریف لے گئے یہ غالباً ۱۹۲۴ء کا واقعہ ہے۔

دارالعلوم معلیٰ عثمانیہ میں تشریف لانے کے بعد وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا' شروع شروع زیادہ تر تفسیر و حدیث و فقہ کی کتابیں پڑھائیں' جب وہاں کے بعض مدرسین نے یہ پروپیگنڈا کیا کہ ان کی فقاہت و دینیات میں بالغ نظری تو ہم کو مسلم ہے لیکن منطق و فلسفہ میں ہم سے یہ مقابلہ نہیں کر سکتے تو صحیحین اور بیضاوی کے علاوہ عموماً منطق و فلسفہ کی اعلیٰ ترین کتابیں پڑھانے لگے۔ ادھر مدرسین نے طالب علموں کو اعتراض لکھا کر اور مشق کرا کر بھیجنا شروع کر دیا۔ تو فرمایا کہ تم طلبہ ہو تم کو جو لوگ اعتراض لکھا کر بھیجتے ہیں ان کو بھیجو' وہ آ کر اعتراض کریں اور جواب سنیں اور پھر علمی ذوق کا لطف آئے آخرش ان لوگوں نے اپنی ناکامی کو محسوس کر لیا اور حسد کی وجہ سے اس دالعلوم سے استفاء داخل کر کے مولانا معین الدین صاحب اجمیری کے دارالعلوم میں مدرسی اختیار کر لی۔ اجمیر شریف کے دوران قیام میں تعلیم کا بہت اعلیٰ معیار جاری فرمایا اور طلبہ کی وہ تربیت کی جس کی نظیر عام عربی مدرس میں معدوم یا کالمعدوم تھی۔

تعلیم کا وہ معقول انتظام تھا کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔ صبح سویرے مدرسہ میں تشریف لاتے اور جب عام مدرسین مدرسہ کا وقت ختم ہونے کی وجہ سے اپنے اپنے گھر چلے جاتے تو خاص خاص اسباق اس وقت بھی پڑھایا کرتے تھے تقریباً ۱۲ بجے تک گرمیوں کے موسم میں درس دیتے اور بعد ظہر وہاں چھٹی رہا کرتی تھی' لیکن حضرت

کے مکان پر درس کا سلسلہ اس وقت بھی جاری رہتا۔ ظہر سے عصر تک یہ سلسلہ چلتا' اس کے بعد درگاہ معلیٰ میں نماز عصر پڑھا کر مولا رام پوری مرحوم کے پاس جن کی نشست جھالرہ پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کے پائیں جانب آپ کے صاجزادوں کے مزار کے پاس ہوتی بیٹھ جاتے اس جگہ علمی مذاکرہ اور دینی ابحاث کا سلسلہ نماز مغرب تک جاری رہتا۔ بعد نماز مغرب مکان پر تشریف لاتے۔ سردیوں کے موسم میں جب دونوں وقت مدرسہ ہوتا تو بھی بعد نماز عصر تک درس دیتے اور بقیہ معمولات اسی طرح تھے۔ اجمیر شریف کے قیام کے آخری زمانے میں جسم کے بڑھ جانے (دانت) کی شکایت پیدا ہونے پر اطبا کے مشورے سے بعد نماز عصر دولت باغ میں بارہ دری پرانا' ساگر کے سامنے ٹہلنے کیلئے چلے جاتے۔ اس سیر تفریح میں اکثر و بیشتر مولانا سردار احمد صاحب ہمراہ ہوتے اور راستہ بھر کوئی علمی کتاب ہاتھ میں لئے ہوتے' کتاب کا درس بھی جاری رہتا اور تفریح و سیر بھی ہوتی تھی۔

جمعہ کا دن تعطیل کا ہوتا تھا۔ لیکن اس دن صبح سے لے کر دس' گیارہ بجے تک مجلس تقریر و مناظرہ منعقد ہوتی۔

آج کے اکثر مقررین اور واعظین اس زمانے کے تربیت یافتہ ہیں۔ اسی زمانے میں مولانا سردار احمد صاحب حافظ عبدالعزیز صاحب اور مولانا رفاقت حسین صاحب اور مولانا غلام جیلانی صاحب میرٹھی وغیرہم کے مناظروں اور تقریروں کے متعلق دلچسپیاں اور نوک جھونک خوب ہوا کرتی تھی۔ مقررین کی اصلاح اور نقد و تبصرہ بھی فرمایا جاتا۔

علمی و عملی طریقے اور اعلیٰ معیار خطابت کی ظاہر تعلیم آپ کی زندگی کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اس کے بعد سلسلہ درس و تدریس و تربیت طلبہ دادوں ضلع علی گڑھ میں بھی جاری رہا۔ اجمیر شریف میں آپ کا قیام ۱۹۳۲ء تک رہا۔ غالباً ۳۳ء کے شروع میں آپ نے اجمیر شریف کو چھوڑ دیا۔ اجمیر شریف کا چھوڑنا خود ایک لمبی داستان ہے جس کے لئے کئی صفحہ مکمل چاہیے۔

مختصر یہ کہ اس کے بعد حضرت مع اپنے تمام تلامذہ کے حضرت حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ سجادہ نشین دربار رضویہ کی دعوت پر اجمیر شریف سے بریلی رونق افروز ہوئے' اور وہاں یہ سلسلہ درس ایک عرصہ تک جاری رہا۔

جوش تبلیغ

اجمیر شریف کے قرب و جوار میں راجپوت قوم وہاں راجہ پرتھوی راج کی اولاد آباد ہے جو مسلمان ہو چکی ہے لیکن ان میں بہت سی عادتیں مشرکانہ تھیں اور وہ فرائض اللہ سے بالکل ناواقف تھے ان راجپوتوں کی شادیاں خدام بارگاہ چشتیہ کے گھرانے میں اکثر ہوا کرتی تھیں چنانچہ خدام میں کے بعض شاگردوں نے ان لوگوں میں تبلیغ کا پروگرام حضرت کے ارشاد سے بنایا چنانچہ قرب و جوار کے بہت سے علاقوں میں وقتاً فوقتاً تبلیغی جلسے ہوئے جس کی وجہ سے بہت اچھا اثر پڑا اور مشرکانہ رسوم سے توبہ کرنے اور ایمان کے راستہ پر چلنے کا جذبہ اس راجپوت قوم میں پیدا ہونے لگا۔

اس سلسلہ میں مولوی سید محمد علی صاحب ازہری اور مولوی خیرات رکن صاحب او مولوی سید محمد یونس اور مولوی سید اقبال احمد صاحب تلامذہ حضرت صدر الشریعہ و خدام بارگاہ معلیٰ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس کے علاوہ اردگرد کے بڑے شہروں اور قصبات میں بھی خود اور آپ کے طلبہ تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھتے' مذہب اہل سنت کی اشاعت اور رد وہابیہ' مرزائیہ' قادیانیہ کیا کرتے تھے۔

نصیر آباد، بیاور لاڈنوں، جے پور، جودھپور، پالی مارڈار، چتوڑ وغیرہ کے علاقہ میں تبلیغ ہوا کرتی تھی۔

تقریر

حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ کی تقریر نہایت ٹھوس مضامین اور تفسیر قرآن و حدیث پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔ طریقہ تقریر یہ تھا کہ پہلے کسی آیت کی تلاوت فرماتے اس کے بعد اس کا ترجمہ فرما کر پھر آیت کی تفسیر اور اس کے متعلقات نہایت سبط سے بیان فرماتے۔ تقریر میں وہابیہ کے عقائد کا رد اور اہل سنت کے عقائد کا اثبات ہوا کرتا تھا۔ لیکن انداز بیان ایسا نرالا اور اولہ اتنے قوی اور صحبتیں اتنی واضح ہوتیں کہ مخالف موافق سب کو ان باتوں کو تسلیم کرنا پڑتا عموماً مقررین کی خاص تقریریں ہوتی ہیں جو انہوں نے یاد کی ہوتی ہیں اس کے اشارے کنارے بلکہ اٹھنا بیٹھنا تک انہوں نے مشق کے ذریعہ سے ٹھیک کیا ہوتا ہے لیکن جہاں تک مجھے خیال ہے حضرت صدر الشریعہ کی کوئی تقریر رٹی ہوئی نہ تھی۔ بلکہ تقریر بھی ایک مستند دینی درس اور ایک باوقار خطبہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ابتدائی جوانی میں ایک یا چند تقریریں یاد کی ہوں، لیکن جہاں تک میرے سننے اور عام احباب کے سننے کا تعلق ہے۔ سب لوگ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ آپ کے خطبے ہمیشہ نئے اور باتیں عموماً نرالی ہوتی تھیں۔ البتہ درمیان میں احادیث مشہورہ اور تاریخی واقعات کی طرف اشارہ بھی ہوا کرتے تھے۔ میں نے بعض مرتبہ دیکھا ہے کہ حضرت کو اگر رات میں تقریر کرنی ہے تو دن کو دوپہر کے وقت بعد غذا یا کسی اور وقت نہایت گہری سوچ میں مشغول رہتے تھے اور کبھی کبھی کچھ آہستہ آہستہ زبان سے بھی فرما دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد تقریریں ہوتیں اور سماں بندھ جاتا۔

لطیفہ

حضرت دیوان سید آل رسول علی خاں صاحب سجادہ نشین حضرت سلطان المشائخ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ کے دولت کدہ پر ہر سال محرم شریف کی مجلسیں

ہوتیں ان کی آخری تاریخ مجلسوں میں حضرت صدر الشریعہ کی دو تقریریں ہوا کرتی تھیں جن میں فلسفہ شہادت واقعات میدان کربلا بیان فرماتے تھے' ان مجالس خیر میں دور دور سے لوگ شرکت کے لئے آتے' حضرت اجمیر شریف سے آئے تو آپ کے بعد مولانا معین الدین صاحب اجمیری وہاں تقریریں کرتے تھے' ایک دن ان کی تقریر ہو رہی تھی کہ چند اشخاص آپس میں بات کرنے لگے کہ یہاں تقریر تو مولانا امجد علی صاحب کے زمانہ میں ہوئی تھی اور مجمع اس وقت ہوتا تھا اور رونق کا وہ زمانہ تھا اب تو دیکھو اُلو بول رہا ہے مئوناتھ بھنجن وہابیہ دیوبندیہ کا خاص گڑھ ہے۔ وہاں کے لوگ حضرت صدر الشریعہ کی تقریروں کو بڑے ذوق و شوق سے سنتے اور حضرت کے وفود علم اور بلاغت کلام سے بہت متاثر ہوتے بلکہ تقریر کے بعد آپ کی تقریر کو کہتے تھے کہ ہمارے بھی یہی عقائد ہیں حالانکہ ان کے عقائد کا اس تقریر میں نہایت مدلل رد ہوا کرتا تھا۔ تقریر میں فضائل و مناقب پر انحصار نہیں رہا کرتا تاکہ لوگوں کے عقائد کی اصلاح کے ساتھ نیک اعمال کا جذبہ ترقی پاتا رہے۔

تصنیف

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی سب سے مشہور تصنیف بہار شریعت ہے جس کے سترہ مطبوع حصے اہل سنت و جماعت میں متداول ہیں۔ یہ درحقیقت فقہ کا ''دائرۃ المعارف'' انسائیکلوپیڈیا ہے چونکہ عوام الناس کو فقہ کے معلومات کے بڑے ذخیرہ کی ضرورت تھی اور اس سلسلہ میں اردو کی اور چھوٹی چھوٹی کتابیں تھیں اور بہشتی زیور مولوی اشرف علی کی بھی اس زمانے میں رائج ہونا شروع ہوئی تھی۔ جس میں عقائد اور غلط مسائل بے شمار تھے لہٰذا ایک ایسی کتاب کی ضرورت پڑی جو صحیح عقائد اور ٹھیک مسائل پر مشتمل ہو اس سلسلہ میں بہار شریعت کی تصنیف کا کام شروع کیا یہ کام غالباً ۱۳۳۴ھ میں شروع کیا گیا۔ پہلے بہار شریعت حصہ دوم لکھی گئی: اس کے بعد حصہ اول لکھی گئی اور سلسلہ تالیف و تصنیف آخر عمر شریف تک جاری رہا۔ سترہواں حصہ عمر کے آخری حصہ ۱۳۶۳ھ میں تصنیف فرمایا۔ اس تصنیف و تالیف میں اتنا عرصہ اس لئے لگا

کہ سال بھر درس و تدریس افتاد وغیرہ سے فرصت نہیں ملتی۔ صرف رمضان المبارک کا زمانہ ایسا تھا جس میں یہ کام ہوتا خصوصاً اواخر رمضان اعتکاف کی حالت میں حضرت کی مشغولیت یہی بہار شریعت کی تصنیف تھی یا تلاوت قرآن مجید۔ جب ۱۳۶۲ھ رمضان المبارک کی ۲۲ تاریخ آنکھوں میں تکلیف شروع ہوئی اور بینائی بالکل زائل ہو گئی اس کے بعد سے تصنیف کا کام ختم کرنے پر مجبور ہوئے آنکھوں کا آپریشن خیر آباد ضلع سیتا پور کے اسپتال میں کرایا مگر یہ آپریشن کامیاب نہ ہوا آنکھوں میں مختصر سی روشنی عود کر آئی تھی جس کی وجہ سے دستخط وغیرہ کر لیتے تھے۔ لیکن لکھنے پڑھنے کا کام نہ کر سکتے تھے۔ آپ کی دوسری بڑی تصنیف آپ کے فتاوے ہیں۔ جو اکناف و اطراف ہندوستان سے آیا کرتے تھے۔ یہ بھی بڑے پایہ کی تصنیف ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے اور یہ تین جلدیں وہ ہیں جو محفوظ رہ گئیں ورنہ بیشتر فتاویٰ یا تو کہیں نقل ہی نہ ہوئے یا گم ہو گئے اگر یہ فتاویٰ کسی زمانے میں زیور طبع سے آراستہ ہوئے تو نہایت مفید کتاب ہوگی۔ تیسری بڑی تصنیف حدیث کی مشہور کتاب شرح معانی الآثار امام ابو جعفر طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ علیہ الرحمہ کی شرح ہے یہ شرح عربی میں ہے۔ بہار شریعت ص ۱۰۲ ج ۱۷ میں احمد بن محمد بن سلامہ ازدی مصری۔

فرماتے ہیں ۸ محرم ۱۳۶۲ھ میں فقیر نے چند طلبہ خصوصاً عزیزی مولوی حافظ مبین الدین صاحب امروہوی عزیزی مولوی سید ظہیر احمد صاحب نگینوی مولوی حافظ قاری محبوب رضا خاں صاحب بریلوی و عزیزی مولوی محمد خلیل مارہروی کے اصرار پر شرح معانی الاثار معروف بطحاوی شریف کا تحشیہ شروع کیا تھا۔ کہ یہ کتاب نہایت معرکۃ الآرا حدیث کی جامع حواشی سے خالی تھی۔ استاذنا المعظم حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب پر کہیں کہیں تعلیقات تحریر فرمائے ہیں۔ وہ طالبہ کے لئے بالکل ناکافی ہیں مکمل اور مفصل حاشیہ کی اشد ضرورت تھی۔ اس تحشیہ کا کام سنہ مذکور میں تقریباً سات ماہ تک کیا۔ مگر مولوی عطاء المصطفی کی علالت شدیدہ پھر ان کے انتقال نے اس کام کا سلسلہ بند کرنے پر مجبور کیا۔ جلد اول کا نصف بفضلہ تعالیٰ تحشیے ہو چکا ہے

جس کے صفحات کی تعداد باریک قلم سے ۴۵۰ ہیں اور ہر صفحہ پینتیس یا چھتیس سطروں پر مشتمل ہے اس عبارت سے حضرت کے شجر علمی اور زود نویسی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ محض چھ مہینے میں ساڑھے چار سو صفحات لکھنے روزمرہ ڈھائی سو صفحہ ۳۶ سطریں پر مشتمل جس کے لئے امہات کتب حدیث و رجال کے مطالعہ کی ضرورت ہوتی تھی۔ تحریر فرماتے تھے۔ اس زمانہ تحریر میں یہ طلباء جواب علماء ہیں اکثر حضرت کے پاس رہا کرتے تھے۔ شب بیداری کی وجہ سے یہ سب بیمار ہو گئے تھے لیکن حضرت اسی طرح کام کرتے رہے۔

ایک زمانے میں جب باتصویر قاعدے جاری ہوئے اور ان میں جانوروں کی تصویر کی وجہ سے اسلامی مدارس ایسے قاعدوں سے استفادہ حاصل نہ کر سکے تو مسلمان دیندار بچوں کے لئے آپ نے اسلامی قاعدہ نامی قاعدہ تصنیف فرمایا تھا۔ جس میں تصویریں تھیں۔ لیکن جاندار کی کوئی صورت نہ تھی۔ اور ترتیب ایسی نفیس رکھی تھی کہ اس قاعدہ سے تعلیم پانے والا بہت جلد اردو پر قادر ہو جاتا تھا۔ میں نے یہ قاعدہ پڑھنے کے بعد فوراً ہی اردو کی دوسری کتاب پڑھی تھی۔ درمیان میں کوئی دوسرا قاعدہ یا کوئی اور کتاب نہ پڑھی۔ حضرت صدر الشریعہ کی تصنیف اور آپ کے فتاویٰ کی یہ خصوصیت ہے کہ الفاظ سادہ دلکش، موثر، سہل ممتنع کا درجہ رکھتے ہیں۔ دقیق سے دقیق مسئلہ ایسا آسان لکھتے ہیں کہ کم فہم آدمی بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے حضرت کے خطوط میں بھی یہ خصوصیت نمایاں تھی کہ صرف ضروری باتوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ کوئی زائد بات کبھی نہ ہوتی۔ خطوط میں تاریخ دن اور مقام روانگی کے بیان کا خاص اہتمام ہوتا۔ ایک دن میرے بڑے بھائی مولانا حکیم شمس الہدیٰ صاحب مرحوم کو ان کے بعض خطوط پر تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میرا خط دیکھو کیا تم کو نہیں معلوم کہ میں کہاں رہتا ہوں لیکن میرے خط میں ان تمام کی تصریح اس لئے ہوتی ہے کہ آسانی سے ہر شخص کو پوری بات معلوم ہو جائے۔ غالباً انہوں نے خط میں بعض ایسی ضروری فروگذاشت کر دی تھی۔ اگر کوئی شخص خط کا جواب نہ دیتا تو اس پر بہت اظہار جلال فرماتے اور فرماتے کہ اگر تم کسی سے کوئی بات کرو۔ اگر وہ تم کو جواب نہ

دے تو یہ بات تم کو کتنی ناگوار ہو گی اسی طرح سے اگر کسی خط کا جواب نہ دیا جائے تو اس کا بھی یہی اثر ہوتا ہے۔

یہ بات غالبًا حافظ عبدالرؤف صاحب مدرس دارالعلوم اشرفیہ سے فرمائی تھی اور انہوں نے کسی خط کا جواب نہ دیا تھا یہ اس وقت کی بات ہے جس زمانے میں وہ بریلی شریف حضرت مفتی اعظم کے یہاں مقیم تھے۔ انہیں خطوط میں سے حضرت کا ایک خط ''مناظرہ و سنی وہابیہ'' میں طبع ہوا ہے اس خط میں حضرت مولانا سید محمد صاحب محدث کچھوچھوی مدفیضہ کو دعوت شرکت اجلاس دی ہے اس زمانے میں گھوسی میں مناظرہ ہونے والا تھا۔ مناظرہ کی تاریخ غالبًا ۵-۶ شوال تھی۔ دیوبندیوں کی طرف سے مولوی اشرف علی یا ان کا کوئی وکیل اور سنیوں کی طرف سے حضرت حجۃ الاسلام یا حضرت صدر الافاضل یا ان کے وکیل مناظر تھے۔ وہابیہ کے نہ آنے اور مناظرہ نہ کرنے کا حضرت کو یقین کامل تھا۔ اس شکست کے بعد جشن مسرت منانے کے لئے حضرت محدث صاحب قبلہ کو دعوت دی تھی اور اس میں تاریخ مناظرہ کی اطلاع اور وہابیہ کی شکست ہو جانے کا تیقن اور شرکت جشن کی دعوت صرف تین سطر میں تھی' یہ خط بھی ایک تحریری اور واقعاتی کرامت ہے۔ حضرت کا ارشاد حرف بحرف صادق ہوا اور وہابیہ مناظرہ میں نہ آ سکے بعد کے واقعات کے لئے روداد کی طرف توجہ فرمائیں۔

پھر بہار شریعت کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو عام کتب فقہ اردو و عربی و فارسی میں نہیں بہار شریعت میں مسائل کو پہلے قرآن پاک کی آیتوں سے ظاہر کیا گیا ہے پھر احادیث کریمہ سے اس کی تاکید و تفسیر و تفصیل کی گئی ہے۔ اس کے بعد کتب فقہ سے اس کی مثالیں اور جزئیات کے ذخیرہ جمع کئے گئے ہیں۔ مسائل اس انداز سے اکٹھے کئے گئے ہیں کہ شاید و باید کوئی ضروری مسلمہ جس کی ایک عالم کو تلاش ہو وہ اس میں نہ ملے۔ ہم نے بہت سے مفتیان کرام سے جو آج کل بڑے بڑے مسند افتا پر متمکن ہیں سنا ہے کہ بہار شریعت نے فتاوئی کے بارے میں بہت سہولت پیدا کر دی' پہلے مسئلہ بہار شریعت میں دیکھا پھر اصل کتاب نکال لی۔ لیکن عموماً یہ دکھا جاتا ہے کہ لوگ بہار شریعت

کا حوالہ نہیں دیتے یہ بات صرف حضرت مولانا مفتی صاحبداد صاحب مفتی پاکستان کراچی میں بالخصوص ہے کہ وہ اپنے فتاویٰ میں اکثر بہار شریعت کا حوالہ ضرور دیتے ہیں۔ یہ بات دیانت اور فقاہت اور تقویٰ کے بالکل مطابق ہے کہ اصل ماخذ و مرجع کا پتہ چلتا رہے۔ اور پھر عوام و خواص میں بہار شریعت کا مستند ہونا مسلم ہو جائے اہل سنت میں بہت زمانے سے مسلم ہے۔ بہار شریعت کے ابتدائی چھ حصہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے سنے ہوئے ہیں سنے نہیں بلکہ حرف بحرف سنے ہوئے ہیں اور ان میں جگہ جگہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی اصلاح بھی ہوئی ہے اور ان حصوں میں آخر میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تقریظات بھی موجود ہے۔ اعلیٰ حضرت مجدد ماۃ حاضرہ نے ان الفاظ میں حضرت صدر الشریعہ کی تعریف فرمائی ہے۔ اخی فی اللہ ذی المجدد الجاہ والطبع السلیم والفکر القویم والفضل والعلی مولانا ابو لعلی مولوی حکیم محمد امجد علی قادری برکاتی اعظمی بالذھب والمشرب دالسبکنی اعظمی الخ کی تفسیر یہ ہے کہ حضرت صدر الشریعہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب پر ہیں اور غوث اعظم حضرت سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشرب میں داخل ہیں اور اعظم گڑھ سکونت رکھتے ہیں۔

یہاں یہ بات بتانے کے لائق ہے کہ اعظم گڑھ کی طرف نسبت اعظمی کے موجد بھی حضرت صدر الشریعہ ہیں ورنہ حضرت سے قبل لوگ اپنے کو اعظم گڑھی لکھا کرتے تھے۔ حضرت نے اس نسبت کو شہرت عطا فرمائی اور اب سب لوگ اپنے کو اعظمی لکھنے اور بولنے لگے۔

بہار شریعت کے گو سترہ حصے ہیں اور وہ قریب قریب کامل و اکمل کتاب ہے لیکن ابھی چند ابواب فقہ باقی رہ گئے جو بقول صدر الشریعہ تین حصوں پر مشتمل ہوں گے اور بہار شریعت اس لحاظ سے پوری مکمل نہ ہو سکی۔

تدریس

حضرت صدر الشریعہ کا یہ بہت بڑا مشغلہ تھا اور عمر کے آخری اوقات تک یہ کام کبھی

نہ چھوڑا۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ حضرت اسی کام کے لئے پیدا کئے گئے تھے آج اکناف ہندوستان و پاکستان میں جس طرف نظر اٹھا کر دیکھئے حضرت کے شاگرد یا ان کے شاگردوں کے شاگرد تدریس و افتا کے خدمات میں مشغول ہیں اس سلسلہ میں صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے تلامذہ اور ان کے شاگردوں کے شاگرد بھی ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے ان دو روحانی فرزندوں نے مذہب اہل سنت کی بڑی خدمتیں کی ہیں۔

آپ کے سبق پڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے طالب علم عبارت پڑھتا۔ اگر عبارت صحیح پڑھی فبہا ورنہ عبارت کی تصحیح اور نحوی صرفی مسائل کی مشق اور تخریج بھی عبارت خوانی کے درمیان فرما دیتے جب عبارت ختم ہو جاتی تو ترجمہ بھی طالب علم ہی کو کرنا پڑا۔ ترجمہ اس طرح طالب علم سے کراتے کہ اردو زبان کی صحت اور اصل سے ترجمہ کی مطابقت اور معنے خیزی پوری طرح ہوتی لفظی ترجمہ یا سطحی ترجمہ سے ہی طالب علم کی استعداد اور اس کی تیاری کا علم ہو جاتا تھا......

میرے ہم سبق احباب ہر جگہ تو عبارت پڑھنے کی کوشش کرتے لیکن حضرت کے سامنے عبارت پڑھنے کے اکثر احباب گھبراتے' صرف چند ہی ایسے تھے جو بادل نخواستہ اس کی جرات کرتے تھے۔ وہ بھی عموماً تیاری کے بعد......ترجمہ میں بعض الفاظ سے چڑھ تھی۔ مثلاً فی کا ترجمہ بیچ یا اندر کرنے سے منع فرماتے تھے کہ اندر اسم ہے۔ اور فی حرف ہے۔ حرف کا ترجمہ حرف سے اور اسم کا ترجمہ اسم سے ہونا چاہیے۔ لہٰذا فی کا ترجمہ میں سے کرو ایضاً کا ترجمہ و نیز کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے اور اس کا ترجمہ بھی کراتے تھے۔

لطیفہ

دادوں میں تفسیر بیضاوی شریف ہو رہی تھی جس میں' میں بھی شریک تھا اور مولانا وقار الدین صاحب' مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی مولانا محمد خلیل صاحب کچھوچھوی مولانا مصطفیٰ علی سنبھلی وغیرہ تاندہ شریک تھے انہیں میں سے ایک دوست نے قالوا اتجعل فیہا ہ

ترجمہ اس طرح کیا اور ملائکہ لوگوں نے کہا اس پر حضرت خوب ہنسے اور فرمایا کہ یہ تو انگریزوں والی اردو ہوئی کہ بندر لوگ بہت پریشان کرتا ہے وہ صاحب بھی اس لطیفہ کو ذکر کرکے ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ بس حضرت کے سامنے آدمی بالکل مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔

جب طالب علم عبارت اور ترجمہ سے فارغ ہو جاتا۔ اب حضرت اصل عبارت کی نہایت واضح اور نفیس تقریر فرماتے، تقریر بالکل دل میں منقوش ہو جاتی اور مشکل سے مشکل مقام ایسا علوم ہوتا کہ یہ کوئی دشوار مقام ہی نہیں۔ اگر کتاب بڑی اور فن کی ہوتی تو مطلب بیان کرنے کے بعد اعتراض و جواب جو اس مقام پر ہوتے ان کی بھی تقریر فرماتے اور کبھی کبھی خود محاکہ بھی فرمایا کرتے تھے خصوصاً قاضی مبارک میر زاہد رسالہ، میر زاہد رسالہ امور عامہ اور خیالی وشمس بازغہ وغیرہ میں یہ باتیں اکثر ہوا کرتی تھیں...... اور کتاب چھوٹی ہوتی تو طالب علم کے استعداد کے مطابق عبارت کی توضیح وتقریر فرما کر بس کر دیتے۔ میں نے جب دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں کافیہ پڑھنا شروع کیا تو جو حضرت ہمارے استاد تھے انہوں نے کلمہ لفظ پر پوری تحریر سنبٹ اور سوال باسولی بنا کر رکھ دی کافیہ سے ویسے ہی شروع ہی میں ہم لوگ مرعوب تھے اب جو یہ تقریر دل ناپذیر سنی تو ہوش اڑ گئے۔ حضرت کی خدمت میں جا کر عرض کی کہ کافیہ بالکل سمجھ میں نہیں آتی فرمایا اچھا ہم پڑھ جائیں گے نماز ظہر کے بعد میں اور سید محمد علی صاحب اجمیری دونوں یہ کتاب حضرت سے پڑھنے لگے پہلے دن ایک صفحہ ابتدائی پڑھایا اور اس کے مطالب اور معانی واضح فرمادیئے صرف یہ بات کہ بسم اللہ کے بعد الحمد شریف کیوں نہ لکھی اس کے دو تین سیدھے سادے جواب دے کر سبق ختم کر دیا۔ میں نے حیرانی سے دریافت کیا کہ یہاں ہمارے استاد نے تو بہت سے اعتراض اور جواب بیان کئے فرمایا کہ یہ سب چیزیں شرح جامی میں آئیں گی غرض آپ کا درس کلموا الناس علی قدر عقوام الربانی الذی یربی الناس بصغار العلم قبل کبارہ کا نمونہ تھا۔ یہی حال احادیث کریمہ کی تعلیم میں ہوتا۔ ہر مقام پر ایک مختصر سی جامع و مانع وافی وشافی تقریر فرماتے، شکوک و

شبہات کے بادل خود بخود چھنٹ جاتے اور علم و یقین کا سورج مشرق قلب و دماغ پر جلوہ گر ہو جاتا۔

حضرت کے تدریس کی یہ خصوصیت تھی کہ ہر علم و فن کو یکساں پڑھاتے' آپ کے کسی سبق میں کوئی شخص یہ خیال نہیں کرسکتا تھا کہ آپ کو اس فن میں مہارت اور اس علم میں یدطولی حاصل نہیں حدیث' تفسیر' فقہ' اصول فقہ' معانی' بیان' بدیع' منطق' فلسفہ' نحو' صرف' حساب' ہیات' ریاضی' ہندسہ' طب و حکمت' اصول حدیث' غرض تمام علوم درس نظامی میں یکساں مہارت تھی اور یہ سب یا ان کے اکثر میں نے خود حضرت صدر الشریعہ سے حاصل کئے ہیں ایک بخاری صاحب قسطنطنیہ سے شرح مطالع خرید کر لائے تھے اور کہتے تھے کہ میں سارے ملکوں میں گھوم آیا کوئی اس کتاب کو پڑھانے کی حامی نہیں بھرتا۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر آپ یہ کتاب مجھے مطالعہ کے لئے دے دیا کریں تو میں آپ کو یہ کتاب پڑھا دوں گا چنانچہ وہ رات کو یہ کتاب حضرت کو دے جاتے اور جب مدرسہ کا وقت ۱۲ بجے ایک بجے ختم ہو جاتا اور سارے مدرسین چلے جاتے تو یہ سبق شروع ہوا کرتا تھا اکثر ہم لوگ بیٹھے نظارہ بھی کیا کرتے تھے اور کبھی قریب بیٹھ کر بھی سنا کرتے تھے۔ وہ بخاری صاحب اردو زبان سے ناآشنا تھے حضرت ان کے لئے فارسی میں تقریر فرمایا کرتے تھے غرض تقریباً ایک سال میں یہ کتاب انہوں نے ختم کی۔

اسی طرح حواشی قدیمہ و جدیدہ جو غیر مطبوع ہیں مولنا غلام جیلانی صاحب و مولانا سردار احمد صاحب و مولانا رفاقت حسین صاحب وغیرہ کو بریلی شریف سے واپس آنے کے بعد پڑھایا کرتے آج کل کے علماء ان کتابوں کے نام سے بھی واقف نہیں مضامین کا کیا پتہ ہوگا۔

حضرت کے سب سے آخری شاگرد دو تھے۔ ایک میری بہن سعیدہ اور دوسرے سبحان اللہ' ان دونوں کو حضرت نے مشکوٰۃ و تفسیر جلالین تک پڑھایا تھا۔ فرماتے تھے کہ اگر میری زندگی رہے گی تو سعیدہ کو بخاری مسلم شریف تک پڑھاؤں گا لیکن تفسیر جلالین پڑھانے ہی کے زمانے میں ہی حضرت کا وصال ہو گیا۔ اس وقت سعیدہ ابھی بچی تھی اور

جوان نہ ہوئی تھی۔ ہاں آخری شاگردوں میں والدہ صاحبہ کا شمار بھی ہو سکتا ہے والد صاحب نے ان کو بھی ابتدائی نحو صرف تک کی تعلیم دی تھی۔ شروع میں یہ صرف اردو خواں تھیں۔ لیکن حضرت نے فارسی اور ابتدائی عربی تک ان کو تعلیم دے دی تھی۔ جس زمانے میں کہ آنکھیں کام نہ دیتیں تھیں باہر سے آنے والے تمام خطوط وہی سنایا کرتی تھیں اور جواب مولوی سبحان اللہ صاحب لکھا کرتے تھے۔

آپ کے درس میں ہندی و پاکستانی، پنجابی، سندھی، مدراسی، بلخی، بخاری، سمرقندی، بنگالی، افغانی، ترکی، افریقی، ایرانی حاضر ہوتے، غرض ہر نسل کے طلباء نے آپ سے استفادہ کیا اور ہر علاقے میں آپ کے تلامذہ پائے جاتے ہیں۔

افتا

یہ کام بھی حضرت نے آخر عمر تک کیا اور اس کام میں بہت مہارت حضرت کو تھی۔ اس مہارت اور بالغ نظری کو خود شیخ مجدد ماۃ حاضرہ نے سراہا ہے۔ فرماتے ہیں آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ (حضرت صدر الشریعہ) مولانا مولوی امجد علی صاحب میں سب سے زیادہ پائیے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ استفتا سناتے ہیں اور جو جواب میں دیتا ہوں لکھتے ہیں طبیعت اخاذ ہے طرز سے واقف ہو چکے ہیں۔ (الملفوظ ص۲۷ ج۱) اجمیر شریف میں ایک شخص آپ کی خدمت میں ایک فتویٰ لایا تھا۔ جس میں سجدۂ تعظیمی کے بارے میں سوال تھا۔ آپ اس زمانے میں بہت سخت علیل تھے علالت کی وجہ سے آپ نے فتویٰ نہ لکھا اس قسم کا ایک فتویٰ مولانا معین الدین صاحب اجمیری سے دریافت کیا گیا تھا انہوں نے جو جواب دیا وہ اسی زمانے میں شائع ہو چکا تھا۔ آپ سے جواب کا تقاضا کیا گیا تو آپ نے اپنی نقاہت کے زمانے میں ہی جواب دیا۔

تلامذہ

حضرت کے شاگرد بہت سے ہیں اور بہت سے وصال فرما چکے، پرانے شاگردوں

میں مولانا عبدالکریم صاحب چتوڑی مرحوم' مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا محمد یحییٰ صاحب بلیاوی' مولانا عبدالعظیم صاحب بلیاوی اور مولانا نور محمد صاحب اعظمی اور ان کے علاوہ سیکڑوں علماء و فقہاء تھے۔ ہمارے زمانے میں خاص خاص چند نام یہ ہیں۔

حضرت مولانا سردار احمد صاحب شیخ الحدیث و التفسیر بانی جامعہ رضویہ لائل پور سابق خادم تدریس جامعہ رضویہ بریلی شریف صدر المدرسین مدرسہ اشرفیہ مبارکپور' حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب صدر المدرسین میرٹھ' حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رئیس' اعظم کٹک صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت' حضرت مولانا غلام یزدانی صاحب (میرے برادر عم زاد) رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین جامعہ رضویہ مظہر اسلام بریلی شریف' حضرت مولانا مفتی اعظم کانپور مولانا رفاقت حسین صاحب بہاری' حضرت مولانا غلام یاسین صاحب پورنوی' مولانا مفتی غلام قدر صاحب پورنوی' مولانا شمس الدین صاحب جونپوری' مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب اعظمی صدر المدرسین دارالعلوم شاہ عالم' احمد آباد' مولانا وقار الدین صاحب سابق مدرس اعلیٰ مظہر اسلام بریلی' حضرت مولانا محسن صاحب اور ان کے برادر مولانا ولی النبی صاحب حال مدرس انوار العلوم ملتان' مولانا نور محمد صاحب چتوڑی' مولانا عزو میاں صاحب' مولانا تقدس علی خاں صاحب مولانا ابرار حسن صاحب' مولانا اعجاز ولی خان صاحب' مولانا قاضی شمس الدین صاحب صدر مدرسین مدرسہ اہل سنت ٹانڈہ ضلع فیض آباد' مولانا سلیمان صاحب بھاگل پوری' مولانا قاری اسرار الحق صاحب مولوی سبحان اللہ صاحب ے مولانا مختار الحق صاحب خطیب جامع ٹوبہ ضلع لائل پور مولانا حامد صاحب فقیہ مولانا عبدالعزیز صاحب ڈیرہ اسماعیلی' مولانا نور الحق صاحب پورنوی' مولانا قاری عبدالجلیل صاحب مرحوم آلہ آبادی' مولانا محراب دین صاحب پشاوری ثم مکی حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب مولانا محمد الیاس صاحب سیالکوٹی' مولانا عبدالحلیم صاحب بخاری' مولانا سید ظہیر احمد صاحب علی گڈھی' مولانا محمد مبین صاحب امروہوی مولانا فیض الحسن صاحب پھپھوندوی' مولانا محمد سلیمان صاحب سلہٹی' مولانا محمد علی صاحب اجمیری ازہری' مولانا محمد یحییٰ مرحوم صاحبزادہ حضرت قبلہ

مولانا غلام آسی صاحب بلیاوی، مولانا غلام محی الدین صاحب مرحوم بلیاوی مولانا مصطفیٰ علی صاحب سنبھلی صاحبزادہ مولانا عطاوا لمصطفیٰ مرحوم انی آخرہ للتقف عنہ حد، حضرت مولانا حکیم شمس الہدیٰ صاحب مرحوم صاحبزادہ اکبر۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء ہیں جو براہ راست حضرت صدر الشریعہ کے شاگرد ہیں جن کا تذکرہ ضمناً پہلے گزر چکا ہے اور بہت سے افراد تو حیطہ تحریر میں بھی نہیں آسکتے۔ حضرت نے بہت ہی ابتدائی جوانی سے تعلیم دینا شروع کیا اور آخر عمر تک درس ہی دیتے رہے اور آپ کے تلانذہ اکثر اہل علم وفضل ہوئے اور یا یہ لوگ مفتی ہوئے یا مدرس ومبلغ، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

تاریخ وصال حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمتہ

ان المتقین فی جنت وعیون

۲۷ ۱۳ ہجری

بموقع چہلم
قطعہ

سلامی جا بجا ارض و سمادیں
مہ و خورشید پیشانی جھکادیں

ترے خدام اے صدر شریعت
جدھر جائیں فرشتے پر جھکا دیں

از: شاعر مشرق شفیق جونپوری

حیات حضرت صدر الافاضل قدس سرہ

از: مولانا حکیم محمد نذیر الاکرم صاحب نعیمی مراد آبادی
ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل سنت۔

حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل استاذ العلماء مرجع الفضلاء امام المناظرین رئیس المتکلمین مولانا الحاج حافظ قاری حکیم محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی قدس سرہ العزیز کی ذات گرامی دنیائے اسلام کی ان عظیم المرتبت شخصیتوں میں ہے جنہیں ملت اسلامیہ کا ستون اور دین حق کا امام کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا آپ کے حالات زندگی تفصیلی طور پر بیان کرنے کے لئے تو ایک ضخیم کتاب درکار ہے مگر چونکہ میرے محترم دوست حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی نے ''پاسبان'' کے مجدد نمبر میں شائع کرنے کے لئے حضرت قدس سرہ کے حالات زندگی پر ایک مضمون طلب فرمایا تھا اس لئے اس اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس وقت صرف اجمالی حالات پیش کئے جا رہے ہیں۔

فقیر محمد نذیر الاکرم عفی عنہ

ولادت

حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز کا تاریخی نام ''غلام مصطفیٰ'' ہے آپ ایک عالی نسب اور اعلیٰ خاندان سے ہیں۔ آپ کے والد ماجد اور اجداد گرامی حضرت مولانا معین الدین صاحب نزہت ابن مولانا امین الدین صاحب راسخ ابن مولانا کریم الدین صاحب آرزو اپنے اپنے دور میں فارسی اور اردو ادب کے استاد و امام مانے گئے ہیں۔

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا معین الدین صاحب نزہت کے کئی فرزند حافظ ہو کر بچپن ہی میں انتقال کر چکے تھے۔ اس لئے آپ کے والد ماجد نے یہ نذر مانی تھی کہ

اب اگر مولا تبارک وتعالیٰ فرزند عطا فرمائے تو اسے دین کی خدمت کے لئے وقف کر دوں گا اگر معرکہ جہاد ہوا تو اسے ساتھ لے کر میدان جہاد میں سرفروشی کروں گا۔ مولا تبارک وتعالیٰ نے ۲۱ صفر ۱۳۰۰ھ کو یہ فرزند سعید عطا فرمایا۔

ابتدائی تعلیم

حسب نذر عقیدت تعلیم کی ابتدا حفظ قرآن کریم سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا ذہن رسا عطا فرمایا تھا اور وہ قوت حافظہ بخشی تھی کہ آٹھ سال کی عمر میں پورا قرآن کریم حفظ کرلیا اور آخر عمر شریف تک برابر تراویح میں ختم قرآن کریم فرماتے رہے۔ لوگوں کی عقیدت وگرویدگی کا یہ عالم تھا کہ کثرت جماعت کی وجہ سے لوگوں کو جگہ نہ ملتی تھی۔

اردو اور فارسی کی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت مولانا معین الدین صاحب نزہت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل کی اور عربی تعلیم میں ملاحسن تک کتابیں جامع معقول و منقول حضرت مولانا مولوی شاہ فضل احمد صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے پڑھیں۔ طالب علمی کے زمانہ ہی میں آپ کی ذہانت و فطانت کا عام شہرہ تھا اسی بناء پر استاد معظم بھی بڑی شفقت فرماتے تھے۔

تکمیل علوم عربیہ

ملاحسن جب ختم ہوئی تو حضرت مولانا مولوی شاہ فضل احمد صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ خود اپنے ہمراہ لے کر صاحب کشف وکرامات جامع معقولات ومنقولات امام العلماء حضرت مولانا مولوی شاہ سید گل محمد صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت کی جودت ذہن اور طبع رسا کا بیان فرما کر حضرت کو اپنی شاگردی میں قبول فرمانے کی درخواست کی' چنانچہ بقیہ درس نظامی اور دورہ حدیث وغیرہ حضرت مولانا گل محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے پورا کیا غرض اٹھارہ سال کی عمر میں تمام علوم عقلیہ و نقلیہ وطب یونانی وغیرہ کی تکمیل کر لی۔ دو سال مزید استاذ معظم کی خدمت میں رہ کر روایات کشی اور افتاء نویسی کی اعلیٰ خدمات انجام دیں۔ ۱۳۲۰ھ میں نہایت شان وشوکت

کے ساتھ دستار فضیلت سے سرفرازی ہوئی۔ آپ کے والد ماجد نے اس پر یہ قطع تاریخ تحریر فرمایا۔

ہے میرے پسر کو طلبہ پروہ فضیلت
سیاروں میں رکھتا ہے جو مریخ فضیلت
نزہت تعلیم الدین کو یہ کہہ کے سنا دے
دستار فضیلت کی ہے تاریخ فضیلت

زمانہ طالب علمی کا ایک مناظرہ

دوران تعلیم ہی میں آپ نے بہت سے مناظرے فرمائے۔ طبیعت کی جودت' ذہن کی ندرت مخالف کو ساکت کرنے میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔ ایک آریہ باہر سے کسی عہدہ پر تبدیل ہو کر مراد آباد آیا۔ اور اس نے محلہ گلشہید کے قبرستان کے قریب کرایہ پر مکان لیا اور مسلمانوں کو اس طرح پریشان کرنا شروع کیا کہ جو مسلمان قبرستان میں فاتحہ پڑھنے جاتا وہ اسے بلاتا اور کہتا کہ مرنے کے بعد روح تو دوسرے قالب میں منتقل ہوگئی یہاں کیا رکھا ہے جو تم کھڑے ہو کر کچھ پڑھتے ہو۔

مسلمان اپنے دین سے ناواقف کوئی اس کی بات سن کر بغیر جواب دیئے چلا آتا' کوئی کچھ جواب دیتا تو وہ اسے منطقی بحث میں الجھا کر خاموش کر دیتا۔ بالآخر لوگوں نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر حالات بیان کئے اور کہا کہ ہم مدرسہ شاہی میں گئے تھے کہ کسی عالم کو بھیج کر اس کی زبان بند کر دی جائے مگر وہاں کوئی صاحب تیار نہ ہوئے آخر ایسے دینی مدارس کس کام کے جو کفار کو جواب نہ دے سکیں اور مسلمان اپنا سا منہ لے کر چلے آئیں۔

حالانکہ یہ حضرت کی تحصیل علم کا زمانہ تھا مگر فرمایا کہ چلو میں چلتا ہوں۔ حضرت نے ان کے ساتھ جا کر قبرستان میں فاتحہ پڑھی' اس آریہ نے حسب عادت آپ کو بھی بلایا' حضرت اس کے مکان پر تشریف لے گئے' آپ کے ساتھ وہ مسلمان بھی تھے جو اس کی گفتگو کا جواب نہ دے سکے تھے اس نے حسب عادت اعتراض کیا۔ حضرت نے

جواب دیا اس نے روح کے حدوث وقدم کی بحث چھیڑ دی' بحمدہ تعالیٰ حضرت نے ایسے دلائل قاہرہ قائم فرمائے کہ وہ آریہ ساکت ولاجواب رہ گیا اور اس نے عہد کیا کہ اب کسی مسلمان کو نہ چھیڑے گا۔

دربار اعلیٰ حضرت کی حاضری

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہ العزیز کی خدمت اقدس میں حاضری بھی عجیب طریقہ سے ہوئی محمد ادریس نامی ایک دیوبندی مولوی راجپوتانہ کا رہنے والا بہت زبان دراز تھا' اس نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے خلاف ایک مضمون اخبار ''نظام الملک'' میں شائع کیا۔

حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے جب وہ مضمون پڑھا تو اسی دن اس کا جواب تحریر فرما کر اخبار ''نظام الملک'' کو اشاعت کے لئے بھیج دیا۔ مالک اخبار وہابیت کی طرف مائل تھے اس کے شائع کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ جب انہیں یہ بتایا گیا کہ اس سے تو تمہارے اخبار کی اشاعت بڑھے گی۔ سلسلہ مضمون دیکھنے کے لئے سنی اور وہابی دونوں ہی تمہارا اخبار خریدیں گے تو اس طمع دنیا کی وجہ سے انہوں نے وہ مضمون شائع کیا۔ مولوی ادریس نے اس کا جواب دیا حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے پھر اس کا جواب دیا۔ ہفتوں یہی سلسلہ سوال وجواب جاری رہا۔

بعض مقامات کے اہل سنت نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں خط لکھے کہ آپ کے جو مضامین اخبار ''نظام الملک'' میں شائع ہو رہے ہیں ہمیں بھیج دیئے جائیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو یہ خطوط دیکھ کر تعجب ہوا کہ میں نے تو ''اخبار نظام الملک'' کو کوئی مضمون نہیں بھیجا' لہٰذا دفتر نظام الملک سے اخبار کے پرچے طلب فرمائے جب مضمون دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور طریقہ استدلال کو بہت پسند فرمایا۔ ملا محمد اشرف صاحب مرحوم مراد آبادی جو اکثر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے خط بھیج کر انہیں طلب فرمایا اور ان سے دریافت کیا کہ اخبار ''نظام الملک'' میں یہ کس کے مضامین شائع ہو رہے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ ایک فاضل نوجوان مولانا محمد نعیم الدین صاحب کے

ہیں تو فرمایا کہ آپ انہیں کبھی یہاں نہ لائے۔

چنانچہ اس کے بعد ملا محمد اشرف صاحب مرحوم مغفور حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ کو بریلی شریف لے کر حاضر ہوئے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز بڑی شفقت و محبت کے ساتھ ملے۔ اس کے بعد آمدورفت کا ایسا سلسلہ جاری ہوا کہ شاید ہی کوئی ہفتہ ایسا جاتا ہو کہ حضرت صدر الافاضل اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر نہ ہوتے ہوں اور اگر کبھی ملاقات ہوئے زیادہ دن گزر جاتے تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ بے چین ہو جاتے اور آدمی یا خط بھیج کر حضرت کو بلواتے۔

۱۳۳۰ھ میں حضرت مولانا صدر الافاضل کے استاد معظم حضرت مولانا گل محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا وصال ہوا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہ تاریخ تحریر فرمائی۔

لیھن ضلال النحد قلة ذلته

بموت محمد گل وغیبة ھیبته

فموت ھداة الدین فی الدین ثلمة

کما فی حدیث لا انسداد الثلمته

مرید مراد ابادنا لو مرادھم

ولکن مضت للدین وعدة نصرته

فلا تفرحوایا بور موتوا بغیظکم

فلیس اله الحق مخلف وعدته

الیس نعیم الدین عضنة حلقکم

یبد دشمل الضالین بصولته

مضی الورد ابقی اللہ ذالد ھرباسما

ودام نعیم الدین غضا بزھرته

یقول الرضا فی عام رحلة حبه

رواح محمد گل ببستان جنته

اور آپ کے والد ماجد حضرت مولانا معین الدین صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال پر مندرجہ ذیل اشعار اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمائے۔

یک شہادت وفات و رمضاں — روز جمعہ شہادت و دگر است

مرض تپ شہادت سوی — بہر ہر سہ شہادتے خبراست

در مزارست چشم وائے عینے — پے دیدار یار منتظر است

مردہ ہرگز نے معین الدین — کہ ترا چوں نعیم دیں پسراست

حضرت مولانا معین الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی آنکھیں بعد وفات کھلی رہیں ہر چند بند کرنے کی کوشش کی گئی مگر وہ بند نہ ہوئیں۔ حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ کی بڑی ہمشیرہ صاحبہ نے حضرت سے فرمایا کہ بھائی آنکھیں بند کرنے کی کوشش نہ کرو۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ اپنی حیات مبارکہ میں خود ہی فرما گئے ہیں۔

کھلی ہیں آنکھیں جو بعد مردن کسی کے میں انتظار میں ہوں

یہ کون آتا ہے آنے والا کہ منتظر میں مزار میں ہوں

اسی کی طرف اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز نے بھی اپنے شعر میں ارشارہ فرمایا ہے کہ

در مزار ست چشم وائے عینے

پے دیدار یار منتظر است

غرض اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کو حضرت صدر الافاضل رحمتہ اللہ کی ذات پر ایسا اعتماد اور بھروسہ تھا کہ بغیر حضرت کے مشورہ کے کوئی کام نہ فرماتے تھے۔ اگر کہیں مناظرہ کی ضرورت پیش آتی تو حضرت ہی کو وہاں بھیجتے اور کوئی کام ہوتا تو حضرت ہی کے سپرد فرماتے۔ نجیب آباد ضلع بجنور میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے چیلنج مناظرہ دے دیا۔ وہاں کے اہل سنت نے اعلیٰ حضرت کو اطلاع دی' اعلیٰ حضرت نے فوراً حضرت کو وہاں بھیج دیا۔ مولوی اشرف علی صاحب حضرت کا نام سنتے ہی چپکے سے فرار ہو گئے۔ اسی طرح بھاگل پور میں وہابیہ نے شرانگیزی کی اور مولوی محمد علی صاحب مونگیری کو بلوایا جو

مدرسہ صولیتہ مکہ معظمہ میں بیس سال تک مدرس رہے تھے اور انہیں یہ گھمنڈ تھا کہ ان کی مثل ہندوستان میں کوئی عربی نہیں بول سکتا۔ انہوں نے اپنے اسی زعم کی بنا پر اہل سنت کو یہ چیلنج دیا کہ اہل سنت میں جو چاہے مجھ سے عربی زبان میں مناظرہ کر لے۔ وہاں کے اہل سنت نے اعلیٰ حضرت کو تار دیا۔ اعلیٰ حضرت نے حضرت صدر الافاضل اور حضرت صدر الشریعۃ قدس سرہما کو وہاں بھیج دیا۔

حضرت صدر الافاضل نے وہاں پہنچتے ہی جواب دیا کہ وہابیہ کی یہ شرط کہ مناظرہ عربی زبان میں ہوگا ہمیں منظور ہے لیکن اسی کے ساتھ دو شرطیں ہماری طرف سے بھی ہیں۔ مناظرہ عربی میں ہوگا' منظوم ہوگا' غیر منقوط ہوگا۔

یہ سنتے ہی مولوی محمد صاحب اور تمام وہابیہ پر موت طاری ہوگئی اور وہ خائب و خاسر ہو کر وہاں سے بھاگے۔ اہل سنت نے فتح وظفر کا جلسہ منعقد کیا جس میں حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے نہایت فصیح و بلیغ اور برجستہ تقریر فرمائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت کو مناظرہ میں ایسا ملکہ تامہ عطا فرمایا تھا کہ مخالف دم زدن میں آن کہی بول اٹھتا تھا۔

اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جو مناظر عیسائیوں سے مناظرہ کی مہارت رکھتے ہیں وہ آریوں سے مناظرہ نہیں کر سکتے' جو آریوں سے مناظرہ میں ماہر ہوتے ہیں وہ قادیانیوں وہابیوں وغیرہم سے مناظرہ نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ ہی کی خصوصیت تھی کہ اگر عیسائیوں کا کوئی مایہ ناز مناظر سامنے آیا تو تھوڑی ہی دیر میں لاجواب ہو گیا۔ آریوں کا بڑے سے بڑا مناظر مقابلہ پر آیا تو دم زدن میں خاموش ہو کر فرار ہوا۔ وہابیوں غیر مقلدوں' قادیانیوں وغیرہم کو تو کبھی مقابلہ پر آنے کی جرات ہی نہ ہوئی' ہمیشہ نام سن کر ہی بھاگ گئے۔

ایک مرتبہ بریلی شریف میں آریوں کے مشہور و مایہ ناز آپ مناظر پنڈت رام چندر نے مناظرہ کا چیلنج دیا۔ اعلیٰ حضرت نے حضرت صدر الافاضل قدس سرہ کو تار دے کر بلایا۔ حضرت نے پنڈت رام چندر سے مناظرہ کیا اور بہت تھوڑے وقت میں ساکت

ولا جواب کر دیا۔

تقریر

اسی طرح آپ کی تقریر بھی اگر چہ اس میں اشعار وغیرہ کی رنگینی نہیں ہوتی تھی لیکن دلکشی اور جاذبیت کا یہ عالم تھا کہ تقریر کا ایک جملہ بھی چھوڑنے کو کسی کا دل گوارا نہیں کرتا تھا معلوم یہ ہوتا تھا کہ علم و عرفان کی بارش ہو رہی ہے فیض کا دریا موجیں مار رہا ہے آیات کریمہ و احادیث شریفہ سے فضائل رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایسے ایسے نکات استنباط فرماتے تھے کہ بڑے بڑے علماء دنگ رہ جاتے تھے۔ ایک ایک آیت پر ہر مرتبہ نیا ہی مضمون' نیا ہی بیان ہوتا تھا آپ کی تقریر کے بعد سامعین کو کسی دوسرے مقرر کی تقریر پسند نہیں آتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جلسوں میں حضرت علیہ الرحمتہ کی تقریر بالعموم سب سے آخر میں رکھی جاتی تھی۔ جس موضوع پر تقریر فرماتے تھے حقائق و اسرار کے دریا بہا دیتے تھے۔ ایک ایک لفظ سامعین کے دلوں میں اترتا ہوا چلا جاتا تھا اسی لئے ہر جگہ لوگ آپ کی تقریر سننے کے لئے اس طرح مشتاق اور بیتاب رہتے تھے جس طرح پیاسا پانی کے لئے حضرت کی تقریر بڑے بڑے مقررین کے لئے ایک ماخذ ہوتی تھی۔ غرض ہر علم و فن میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ فلسفہ و منطق کے ادق اور دشوار ترین عقدوں کو اشاروں میں حل کر دینا' شریعت و طریقت کے پیچیدہ مسائل کو آسانی سے سلجھا دینا آپ کی ایک معمولی بات تھی مخالفین بھی آپ کی قابلیت کا لوہا مانے ہوئے تھے اور پر زور الفاظ میں اس کا اعتراف کرتے تھے۔

پہلا سفر حج

۱۳۵۴ھ میں پہلا سفر حج فرمایا جس میں سلطان المشائخ قطب دوراں فرزند غوث اعظم حضرت شاہ اشرفی میاں صاحب کچھوچھوی قدس سرہ اور حضرت محدث اعظم ہند دامت برکاتہم اور ملک کے دیگر مشاہیر و اکابر علماء و فضلا اور کثیر تعداد میں متوسلین و معتقدین نیز راقم الحروف کے والد ماجد اور ان کے عم مکرم وغیرہم بھی شریک سفر تھے فقیر

راقم الحروف کو بھی نعلین برداری کا شرف حاصل تھا۔ کلکتہ کی بندرگاہ سے یہ قافلہ روانہ ہوا تھا۔

عقیدتمندوں کا تار حکومت سعودیہ کے نام

آغاز سفر سے پہلے صوبہ بنگال کے بعض ذمہ دار حضرات نے حکومت سعودیہ کو یہ تار دیا تھا کہ ہندوستان کے اکابر و مشائخ کی ایک جماعت سفر حج کے لئے آ رہی ہے جن کے عقائد تمہارے عقائد کے خلاف ہیں' اور جو تمہارے ناپاک عقائد کی بنا پر تمہیں خارج از اسلام جانتے ہیں وہ اپنی نمازیں بھی تمہاری جماعت سے الگ پڑھیں گے۔ دیگر ارکان حج بھی تمہارے تابع ہو کر نہ ادا کریں گے اس لئے حکومت سعودیہ ان کے بارے میں اپنا رویہ واضح کرے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گی اور کس طرح پیش آئے گی۔

چنانچہ اس کے جواب میں حکومت سعودیہ کے تار کی ایک نقل جہاز ہی میں حضرت کو موصول ہوئی جس کے مضمون کا خلاصہ یہ تھا کہ حکومت سعودیہ کو کچھ ذمہ دار حضرات کی طرف سے مندرجہ بالا مضمون کا تار موصول ہوا ہے اس کا جواب ان کے پاس بھیج دیا گیا ہے' ایک نقل آپ کو بھی بھیجی جا رہی ہے' آپ شوق سے تشریف لائیں' نماز اور دیگر ارکان وغیرہ آپ جس طرح چاہیں ادا کریں حکومت سعودیہ اس میں آپ سے کوئی مداخلت نہ کرے گی' بلکہ حکومت سودیہ یہ خواہش رکھتی ہے کہ آپ اس کے ہی مہمان رہیں حکومت آپ کو سواری کے لئے موٹریں بھی دے گی قیام وغیرہ کے انتظامات کرے گی حضرت نے اس کے جواب میں یہ تار دیا کہ ہم فقیر لوگ ہیں' حکومت کی مہمانی ہمارے لئے کسی طرح لائق و مناسب نہیں بس اتنی مہربانی کافی ہے' کہ حکومت سعودیہ ہمارے کام میں مداخلت نہ کرے۔ باوجود اس کے بھی ساحل جدہ پر حکومت سعودیہ کے کئی نمائندوں نے اس امر کی مزید کوشش کی کہ حضرت کسی طرح حکومت سعودیہ کا مہمان بنا منظور فرمالیں لیکن حضرت نے اسے کسی طرح قبول نہ فرمایا۔

نجدی سپاہی کے مظالم

اس سفر مبارک کے تفصیلی حالات بیان کرنے کے لئے ایک مبسوط سفر نامہ چاہیے یہاں اختصار کے پیش نظر صرف ایک واقعہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مدینہ منورہ (مانها الله عن شر الاعداء) کے دوران قیام میں ملاحظہ فرمایا کہ نجدی روضہ اطہر کی طرف پشت کر کے بلکہ اس کی مقدس جالیوں سے تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں جب کوئی عقیدت مند زائر جذبہ محبت میں سرشار ہو کر جالی شریف کو بوسہ دینے کے لئے آگے بڑھتا ہے تو مرد کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیتے ہیں اور عورت کے سینہ پر ہاتھ مار کر پیچھے ڈھکیل دیتے ہیں۔

حضرت نے جب یہ ملاحظہ فرمایا تو دربار رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ان کی یہ گستاخی برداشت نہ ہوئی فوراً نجدی سپاہیوں کو عربی زبان میں ڈانٹا اور فرمایا ایک تو نامحرم عورت کو ہاتھ لگانا ویسے ہی حرام ہے اور پھر دربار رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تو اشد ترین حرام ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے بقصد شہوت ہاتھ نہیں لگایا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ شہوت یا بغیر شہوت کی اس میں قید نہیں ہے۔ نجدی سپاہی حضرت کے غصہ کے تیور دیکھ کر گھبرا گئے۔ انہوں نے اطلاع دے کر قاضی شہر اور کوتوال کو طلب کر لیا۔ حضرت نے ان سے بھی یہی کہا۔ کچھ دیر مباحثہ رہا۔ مصر و ترکی، شام و عراق وغیرہ کے بہت سے حضرات یہ منظر دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ بالآخر اس قاضی کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ یہ غلطی ہے اور اس نے حضرت سے معافی مانگی۔ چنانچہ جب تک یہ مبارک قافلہ وہاں حاضر رہا، نجدی سپاہیوں کو اس گستاخی کی جرات نہ ہوئی۔ حضرت کے علم و فضل کا شہرہ سن کر غیر ممالک کے اکابر علماء و فضلاء ملاقات کے لئے آتے رہے غرض یہ سفر بڑا ہی نورانی اور اپنی نوعیت کا عجیب و غریب سفر رہا۔

جوشِ تبلیغ

اہل سنت کے مختلف طبقات کو ایک دوسرے سے قریب تر لانے اور ان میں اتفاق

واتحاد پیدا کرنے اور مسلمانوں کو ایک مرکز پر لانے کا ایک سچا جذبہ آپکے قلب مبارک میں تھا' اس کے لئے آپ نے بڑی بڑی کوششیں کیں دن رات سفر فرمائے تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کیں' ہر طرح کی ایثار و قربانیاں کیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ میں ایسی کامیابی عطا فرمائی کہ دنیا دنگ رہ گئی۔

اپریل ۱۹۴۵ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا عظیم الشان تاریخی اجلاس بنارس میں منعقد ہوا۔ یہ حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ کی شخصیت ہی کا اثر تھا کہ اس اجلاس میں غیر منقسم ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے تمام اکابر علماء و مشائخ و رہبران دین وملت حضرت کی دعوت پر لبیک کہہ کر تشریف فرما ہو گئے۔ یہ امید ہو گئی تھی کہ اب ملت اسلامیہ کا شیرازہ مزید انتشار سے بچ جائے گا اور تمام مسلمانان اہل سنت ایک مرکز پر جمع ہو جائیں گے۔

وفات

مگر مشیت ایزدی میں کسی کو کیا دخل کہ ہنوز یہ مقصد عظیم پوری طرح تکمیل بھی نہ پا سکا تھا کہ حضرت علیہ الرحمتہ نے ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ کو ۶۷ سال کی عمر شریف میں وصال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت قدس سرہ العزیز کی ایک نہ مٹنے والی یادگار ایک دارالعلوم (عربی یونیورسٹی) ہے جو جامعہ نعیمیہ کے نام سے مشہور ہے جس کے فیض یافتگان سے ملک کا گوشہ گوشہ فیض پا رہا ہے' اور جو نہ صرف ہندوستان و پاکستان بلکہ دیگر ممالک میں بھی دین وملت کی اعلیٰ خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت کی کثیر تصانیف سے بھی دنیا میں فیض کے دریا جاری ہیں۔

حضرت سیدی صدر الافاضل قدس سرہ العزیز کی تاریخہائے وصال بہت سے حضرات نے استخراج فرمائی لیکن ان میں محترم جناب پروفیسر حامد حسن صاحب قادری نقشبندی کے مجموعہ تواریخ کا مقام سب سے بلند ہے اس لئے انہیں کو پیش کیا جا رہا ہے۔

بسم اللہ المعز العظیم

تواریخ وفات مجمع کمال

۱۹۴۸ء

صدر افاضل زماں خلد میں پاتے ہیں سکون
سال وفات لکھوں فی الغرفات آمنون

۱۹۴۸ء

سب بے سروپا ہو گئے ایسا تھا مولانا کا غم
اے قادری خستہ دل تاریخ رحلت کر رقم
فضل و سخا رشد و ہدیٰ حلم و حیا عدل و کرم

ض خ ش د ل ی د ر

۸۰۰ ۶۰۰ ۳۰۰ ۴ ۳۰ ۱۰ ۴ ۲۰۰

۱۹۴۸ء

ہیں رونما اب' درد و غم قہرو جفا رنج وستم

د غ ج ر س

۴ ۱۰۰۰ ۳ ۲۰۰ ۶۰

۱۳۶۷ھ

رضی عنہ اللہ الملک الوہاب

۱۳۶۷ھ

اعنی موت العالم موت العالم

۱۳۶۷ھ

تاریخ از کلام مجید

۱۳۶۷ھ

ان المتقین فی جنات وعیون

۱۳۶۷ھ

صدر الافاضل والا جاہ مولانا مولوی حکیم نعیم الدین صاحب

۱۹۴۸ء

فات من الدہر صدر الافاضل — کان صفیا وصار رضیا
قادری ارخت فوت نعیم — عاش تقیا ومات زکیا

۱۳۶۷ھ

تمنا

از: صدر الافاضل قدس سرہٗ

شب غم بھی آخر بسر ہو گئی — تڑپتے تڑپتے سحر ہو گئی
مرے درد دل کی خیر ہو گئی — جو چشم کرامت ادھر ہو گئی
مدینے کا دیدار مشکل نہیں — نگاہ عنایت اگر ہو گئی
دیار نبی میں گزر ہو گئی — یہ تقدیر کس اوج پر ہو گئی
لئے قلب مضطر مدینہ میں پہنچا — تسلی زمیں چوم کر ہو گئی
نگاہیں فدا روضہ پاک پر — جبیں عاشق سنگ در ہو گئی
مواجہ میں عرض صلوٰۃ و سلام — مری آبرو اس قدر ہو گئی
میسر ہوا بوسہ سنگ در — یہ عزت تری نامہ بر ہو گئی
غموں میں مری اک اضافہ ہوا — دوا درد کی درد سر ہو گئی
غم عشق تھا دل کے اندر نہاں — مری پردہ در چشم تر ہو گئی

نعیمؔ خطا کار پر یہ کرم
شفاعت نبی کی سپر ہو گئی

خطیبِ مشرق مولانا علامہ مشتاق احمد نظامی رحمہ اللہ تعالیٰ

(مدیر ''پاسبان'' الہ آباد' بھارت)

از علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

محترم ومکرم جناب مولانا انوار احمد صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'!

ماہنامہ اشرفیہ' مبارک پور کے ذریعے یہ جان کر سخت صدمہ ہوا کہ پاسبانِ سنیت' خطیب مشرق حضرت مولانا علامہ مشتاق احمد نظامی رحمہ اللہ تعالیٰ رحلت فرما گئے ہیں۔ اناللمولیٰ تعالیٰ وانا الیہ راجعون۔ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے اساتذہ اور طلبہ نے اجتماعی طور پر حضرت کے لئے ایصالِ ثواب کیا۔ راقم نے جامع مسجد عمر روڈ لاہور میں نمازِ جمعہ کے بعد' ان کے درجات کی ترقی کیلئے دُعا کی اور ایصالِ ثواب کیا۔

مولائے کریم جل مجدہ نے اُنہیں زبان وقلم پر پورا کنٹرول عطا کیا تھا' اسی لئے خطابت کا سٹیج ہو' مناظرہ کا رن ہو یا تصنیف وصحافت کا میدان' ہر جگہ وہ ممتاز اور نمایاں نظر آتے تھے۔ انہوں نے ماہنامہ پاسبان جاری کیا اور طویل عرصہ تک کامیابی سے چلاتے رہے۔ سنی تبلیغی جماعت قائم کی' دارالعلوم غریب نواز قائم کیا' ایک دُنیا اُنہیں خون کے آنسو کے مولف کی حیثیت سے جانتی ہے۔ میدانِ مناظرہ میں بڑے بڑے جغادری مناظروں کو پچھاڑا اور تمام زندگی پرچم اسلام بلند کرنے' اور سنیت کا پھریرا لہرانے کے بعد اپنے ربِ کریم کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے بڑی کامیاب اور مصروف زندگی گزاری اور ان شاء اللہ تعالیٰ العزیز عالم برزخ میں بھی کامیاب رہیں گے اور قیامت کے دن حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علم شفاعت کے سائے میں جگہ پائیں گے' سرخرو ہوں گے اور سرفراز ہوں گے۔ آخر انہوں نے تمام زندگی عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کرتے ہوئے جو گزاری ہے۔

اللہ تعالیٰ انہیں فردوسِ بریں میں بلند و بالا مقام عطا فرمائے۔ تمام پسماندگان اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

والسلام

شریکِ غم: محمد عبدالحکیم شرف قادری

۱۵ دسمبر ۱۹۹۰ء

سلام

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند

اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

جس کے آگے کھچی گردنیں جھک گئیں

اس خداداد شوکت پہ لاکھوں سلام

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا

اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آ گیا

اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان

کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی

آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں

ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں

اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام
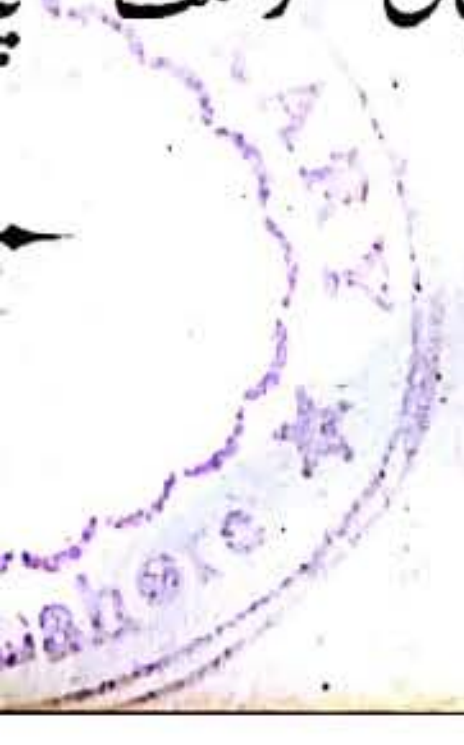
زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
ں کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
غنی کر دیا
لاکھوں سلام
ں دریا بہیں
لاکھوں سلام
ں جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا
ں شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام
گذر کی قسم
پہ لاکھوں سلام
عذاب و عتاب و حساب و کتاب
ابد اہل سنت پہ لاکھوں سلام
پہ دعویٰ نہیں
لاکھوں سلام
ں محشر میں ان کی آمد ہو اور
یں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام
ں کہیں ہاں رضا
پہ لاکھوں سلام

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا
موج بحر سخاوت پہ لاکھوں سلام

نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں
انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

کھائی قرآں نے خاک گذر کی قسم
اس کف پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

بے عذاب و عتاب و حساب و کتاب
تا ابد اہل سنت پہ لاکھوں سلام

ایک میرا ہی رحمت پہ دعوٰی نہیں
شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

کاش محشر میں ان کی آمد ہو اور
بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفٰی جان رحمت پہ لاکھوں سلام